ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقات اسلامی

علی گڑھ

غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت

سید جلال الدین عمری

رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور ان کے محرکات

ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

معاصر ہندوستان میں اسلامی قانون کی تدریس وتدوین

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال: اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

امام ابن ابی حاتمؒ اور ان کی کتاب العلل

ڈاکٹر محمد شریف شاکر

منقود سیرت ابن اسحاق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ

پروفیسر احتشام احمد ندوی

تعارف وتبصرہ

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

ادارہ تحقیق وتصنیف اسلامی، علی گڑھ

دو نئی مطبوعات

۱- توحید اور قیام عدل — مولانا محمد جرجیس کریمی

توحید کا عقیدہ اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے جس پر ایمان لانے سے انسانی زندگی میں نظم، توازن اور اعتدال پیدا ہوتا ہے اور اس پر ایمان نہ لانے سے وہ بدنظمی، بے اعتدالی اور فساد کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ کتاب چار مباحث پر مشتمل ہے۔ ان میں عقیدۂ توحید کی وضاحت، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اعتدال و توازن کے اثرات نیز عقیدۂ توحید سے محرومی اور شرک و الحاد میں آلودگی کے نقصانات اور انکار و خیال پر پڑنے والے اثرات کا عالمانہ جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ صفحات: ۹۲، قیمت: -/۵۰ روپے

۲- اہل مذاہب کو قرآن کی دعوت — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

زمانۂ نزول قرآن میں یہودیت اور عیسائیت دو بڑے مذاہب تھے۔ قرآن نے ان کے ماننے والوں کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کی اور ان کی تحریفات اور انحرافات کی نشان دہی کرتے ہوئے واضح کیا کہ اسلام ہی اللہ کا اصل دین ہے، جسے لے کر ہر پیغمبر آیا تھا اور جس کے ساتھ اب آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ بھیجے گئے ہیں۔

اس کتاب میں ان بنیادی نکات کو نمایاں کیا گیا ہے جنھیں راہِ دعوت میں کام کرنے والوں کو دیگر اہل مذاہب سے گفتگو کرتے ہوئے اور ان کے سامنے اسلام کی دعوت پیش کرتے ہوئے ملحوظ رکھنا چاہیے۔ اس مطالعہ میں قرآن کریم کو بنیاد بنایا گیا ہے اور قدیم و جدید کتب تفسیر سے بھی فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ صفحات: ۸۴، قیمت: -/۴۵ روپے

ملنے کے پتے:-

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، نئی دہلی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی-۲۵

ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی کا ترجمان

سہ ماہی

تحقیقاتِ اسلامی

علی گڑھ

اکتوبر ——— دسمبر۲۰۱۲ء

مدیر

سیّد جَلال الدین عمری

معاون مدیر

محمد رضی الاسلام ندوی

نبی نگر (جمال پور)، پوسٹ بکس نمبر۹۳، علی گڑھ-۲۰۲۰۰۲

Nabi Nagar (Jamalpur) P.O.Box: 93, ALIGARH-202002 (INDIA)

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ

جلد: ۳۱ شمارہ: ۴

ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ ——— محرم ۱۴۳۴ھ

اکتوبر ——— دسمبر ۲۰۱۲ء

تحقیقاتِ اسلامی کے تمام شمارے www.tahqeeqat.net پر ملاحظہ کریں

ادارتی امور

موبائل : 09582050234

ای میل : tahqeeqat@gmail.com

mrnadvi@yahoo.com

انتظامی امور

فون : 0571-2902034

موبائل: 09897655171

ای میل: tahqeeqateislami@gmail.com

tahqeeqat_islami@yahoo.com

زرِ تعاون

اندرونِ ملک

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ	۱۲۰ روپے
پانچ سال کے لیے	۵۰۰ روپے
سالانہ (لائبریریاں وادارے)	۱۵۰ روپے

برائے پاکستان

سالانہ (انفرادی)	۲۰ ڈالرامریکی
سالانہ (ادارے)	۲۵ ڈالرامریکی

برائے دیگر ممالک

سالانہ (انفرادی)	۲۵ ڈالرامریکی
سالانہ (ادارے)	۳۰ ڈالرامریکی

طابع وناشر سید جلال الدین عمری نے بھارت آفسیٹ دہلی-۶ سے چھپوا کر
ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، نبی نگر (جمال پور)، علی گڑھ سے شائع کیا

فہرست مضامین

حرف آغاز

غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت — سید جلال الدین عمری — ۵

تحقیق وتنقید

رسول اللہ ﷺ کے غزوات اوران کے محرکات — ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی — ۲۳

معاصر ہندوستان میں اسلامی قانون کی تدریس وتدوین-موانع اورامکانات — ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی — ۴۷

بحث ونظر

عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال: اسلامی نقطۂ نظر — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۶۹

سیر وسوانح

امام ابن ابی حاتمؒ اوران کی کتاب العلل — ڈاکٹر محمد شریف شاکر — ۸۷

نقد واستدراک

مفقود سیرت ابن اسحاق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ — پروفیسر سید احتشام احمد ندوی — ۱۰۳

تعارف وتبصرہ

لغات قرآن اورعورت کی شخصیت — ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی — ۱۰۷

ارشادات نبوی — ،، — ،، — ۱۱۲

خبرنامہ ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی (۴۵) — ۱۱۵

فہرست مضامین ومضمون نگاران تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۳۱، ۲۰۱۲ء — ۱۱۷

اس شمارے کے لکھنے والے

۱۔ ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ دینیات، عالیہ یونی ورسٹی کلکتہ (مغربی بنگال)

drshamimakhterqasmi@yahoo.com

۲۔ ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اسلامک اسٹڈیز، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ

labeebzia@yahoo.co.in

۳۔ ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

سکریٹری تصنیفی اکیڈمی، مرکز جماعت اسلامی ہند، نئی دہلی

mrnadvi@yahoo.com

۴۔ ڈاکٹر محمد شریف شاکر

ایسوسی ایٹ پروفیسر، جی سی یونی ورسٹی، فیصل آباد (پاکستان)

drshakirr@gmail.com

۵۔ پروفیسر سید احتشام احمد ندوی

مدینہ منزل، نیو سرسید نگر، علی گڑھ

۶۔ سید جلال الدین عمری

صدر ادارۂ تحقیق وتصنیفِ اسلامی، علی گڑھ

غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت

سید جلال الدین عمری

مولانا سید جلال الدین عمری صدر ادارۂ تحقیق وامیر جماعت اسلامی ہند نے اپنے سفر پاکستان (۶۔۱۳/ جون ۲۰۱۲ء) کے دوران تحریکی حلقہ میں خصوصی نشستوں اور عوامی جلسوں میں خطبات کے علاوہ اہل فکر ودانش کی بعض علمی مجلسوں میں متعین موضوعات پر لیکچرس بھی دیے۔۱۲/ جون کو انھوں نے اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان کے ذریعے قائم کردہ سید مودودی اکیڈمی کا افتتاح فرمایا۔ یہ اکیڈمی مولانا مودودیؒ کی ذاتی رہائش گاہ میں، جسے ان کے ورثاء نے جماعت اسلامی کو ہبہ کردیا ہے، اسلامیات کے مختلف پہلوؤں پر علمی وتحقیقی کاموں کی انجام دہی کے لیے قائم کی گئی ہے۔ اس کے افتتاح کے موقع پر مولانا نے 'غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت' کے موضوع پر خطاب فرمایا۔ اس کے علاوہ ۹/ جون کو ادارۂ معارف اسلامی کراچی میں انھوں نے تحریک اسلامی سے وابستہ نوجوان اہل علم ودانش کے سامنے 'تحریک اسلامی کو درکار علمی وفکری کام اور اس کے لیے مطلوب افراد کار' کے موضوع پر خطاب کیا، اس کے بعد سامعین کے مختلف سوالات کے جوابات دیے۔ اس پورے مواد کو ریکارڈنگ سے نقل کرکے اس کی مناسب تدوین کی گئی۔ ہمیں خوشی ہے کہ اس پر مولانا نے بھی نظر ثانی کی ہے اور اسے ایک مقالہ کی شکل دے دی ہے۔ امید ہے کہ اس سے علمی وفکری کاموں کی انجام دہی اور اس راہ کی مشکلات پر قابو پانے کے سلسلے میں قیمتی رہ نمائی حاصل ہوگی۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

عزیزانِ گرامی!

آپ نے ایک علمی اکیڈمی کے افتتاح کے لیے اس عاجز کو یاد کیا۔ اس کے لیے میں آپ تمام عزیزوں کا شکر گزار ہوں۔ یہ اکیڈمی جس مقصد کے لیے قائم ہوئی ہے وہ بہت بڑا مقصد ہے اور ہم سب کا مقصد ہے۔ اس کی نسبت ایک ایسی ہستی کی طرف ہے، جس سے ہم سب نے فکری غذا حاصل کی ہے۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے اسلامی نظام کا جو تصور دیا اس کے پیچھے دلائل تھے، اس لیے اس نے بہت سے افراد کو متاثر کیا، ان کے ذہنوں کو بدلا اور اقامتِ دین اور اسلامی نظام کے قیام پر انھیں آمادہ کیا۔ خوشی ہے کہ آج اس کے اثرات عالمی سطح پر محسوس کیے جارہے ہیں۔

تحریکِ اسلامی کا استحکام فکری سرمایہ سے ممکن ہے

تحریکیں اپنے فکری سرمایہ کی بنیاد پر پیش قدمی کرتی ہیں۔ یہ سرمایہ جتنا مضبوط ہوگا، جتنا بڑھے گا، تحریک اتنی ہی مضبوط ہوگی اور ترقی کرے گی۔ اس سرمایے میں اگر کمی آئے گی یا کسی طرح سے یہ ناقص رہ گیا تو اس کا اثر بھی یقیناً تحریک اسلامی پر پڑے گا۔ آپ حضرات اچھی طرح واقف ہیں کہ جماعت اسلامی پاکستان کو اسلامی جمعیت طلبہ اپنی صفوں سے قیادت فراہم کرتی رہی ہے اور آئندہ بھی اس سے یہ توقع بے جا نہ ہوگی کہ اس کے ذریعہ جماعت کو آگے بڑھانے اور راہ نمائی کرنے والے افراد ملتے رہیں گے۔ جمعیت مختلف میدانوں میں اپنی خدمات انجام دے رہی ہے۔ تھوڑی بہت واقفیت خود مجھے بھی ہے، لیکن یہ جگہ، جہاں اس وقت یہ اجلاس ہو رہا ہے، اس کا تقاضا ہے کہ یہاں سے وہ علمی وفکری کام انجام پائے جو مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے انجام دیا تھا۔ جو سرگرمی ہم یہاں پاکستان میں اور پاکستان کے باہر اقامت دین کی دیکھ رہے ہیں اس کی بنیاد اصلاً اس فکری سرمایہ پر ہے جو مولانا مودودیؒ نے فراہم کیا تھا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس فکری سرمایے کو آگے بڑھایا جائے۔

مولانا مودودیؒ کا کارنامہ

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ دین کا جامع اور واضح تصور دیا، اسے مدلّل اور مبرہن کیا، بلکہ اس فکر کی بنیاد پر ایک تنظیم بھی برپا کی۔ الحمدللہ ہم سب اسی کا حصہ ہیں۔ تحریکیں زندہ اس وقت رہتی ہیں، جب کہ فکری طور پر ان کی آبیاری ہوتی رہے۔ اگر اس کے فکری سوتے خشک ہوگئے تو وہ زیادہ دنوں تک اپنا وجود باقی نہیں رکھ سکتیں، دیر سویر ختم ہوجائیں گی۔ تحریک اسلامی کی ضرورت یہ ہے کہ جب کوئی مسئلہ ملکی یا عالمی سطح پر اٹھے تو قرآن وحدیث کی رہنمائی فراہم کی جائے، تبھی ہماری پیش قدمی جاری رہ سکتی ہے۔ اگر اس معاملے میں کوتاہی ہوگی تو ہمارے قدم پیچھے ہٹنے لگیں گے۔

صدرِ اوّل کی مثال

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب رحلت ہوئی تو صحابۂ کرام پر اس کا اتنا صدمہ تھا جیسے ہوش گم ہوگئے ہوں۔ حضرت عمرؓ کی یہ کیفیت تھی (اور ظاہر ہے کہ یہ کیفیت اس تعلق کا نتیجہ تھا جو ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تھا۔ کہنے لگے کہ اللہ کے رسول اس دنیا سے کیسے چلے جائیں گے؟ اگر کوئی شخص کہے گا کہ آپ کی رحلت ہوگئی ہے تو میں اس کا سر تن سے جدا کردوں گا۔ اس صورت حال میں حضرت ابوبکرؓ نے صحابۂ کرام کو جمع کیا اور ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تلاوت کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِن مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انقَلَبْتُمْ عَلَى أَعْقَابِكُمْ وَمَن يَنقَلِبْ عَلَى عَقِبَيْهِ فَلَن يَضُرَّ اللّهَ شَيْئاً وَسَيَجْزِي اللّهُ الشَّاكِرِينَ

(آل عمران: ۱۴۴)

محمدؐ تو بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور بھی رسول گزر چکے ہیں۔ پھر کیا اگر وہ وفات پاجائیں یا قتل کردیے جائیں تو تم لوگ الٹے پیر پھر جاؤ گے۔ جو شخص الٹے پیر پھر جائے گا وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرسکے گا اور جو لوگ اللہ کے شکر گزار بن کر رہیں گے، اللہ ان کو جلد ہی بہترین اجر دے گا۔

پھر فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّداً فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْمَاتَ وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَإِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْت (صحیح بخاری:۲۴۲۱)

جوشخص محمد ﷺ کی عبادت کرتا تھا اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اب تو آپ دنیا سے رخصت ہوگئے۔ اور جوشخص اللہ کی عبادت کرتا تھا اسے یاد رکھنا چاہیے کہ وہ تو زندہ ہے، اس پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آیت جب میں نے حضرت ابوبکرؓ کی زبان سے سنی تو مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے یہ آج ہی نازل ہوئی ہے۔

دیکھیے، امت کے اندر کتنی بے چینی تھی۔ اس سے بڑا واقعہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ کل تک اللہ کے رسول ﷺ بہ نفس نفیس موجود تھے، آج نہیں ہیں۔ کتنے لوگوں کے ہوش ختم ہوگئے، لیکن جب قرآنی فکر سامنے آیا تو اتنے بڑے سانحے کو انگیز کرلیا گیا۔ بڑے بڑے حادثات اور واقعات امت پر آتے رہیں گے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ امت میں ایسے افراد موجود ہوں جو قرآن کی روشنی میں صحیح راہ نمائی کریں اور امت کو صحیح راستے پر قائم رکھیں۔

مغرب کا مقابلہ فکری سطح پر کیا جائے

میرے دوستو اور ساتھیو!

جیسا کہ میں نے عرض کیا، جمعیت بہت سے کام کررہی ہے، لیکن احساس یہ ہوتا ہے کہ وہ فکری کام، جس کی بنیاد پر تحریک اسلامی وجود میں آئی ہے اور اس جذبے کے تحت وجود میں آئی ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے، اس فکر کو آگے بڑھانے کے لیے جیسی کوشش جمعیت کی طرف سے ہونی چاہیے، نہیں ہورہی ہے۔ اس کے جو بھی اسباب ہوں، کچھ اسباب آپ بیان کریں گے، کچھ اسباب سے میں بھی واقف ہوں، لیکن ان اسباب پر قابو پانا آپ کا اور ہمارا کام ہے۔ اس بات سے خوشی ہورہی ہے کہ جمعیت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جس جگہ بیٹھ کر اس دورِ آخر میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے فکری سرمایہ فراہم کیا تھا اسی جگہ سے اسلامی فکر کو آگے بڑھانے اور اسے مستحکم اور مضبوط کرنے کی کوشش کی جائے۔

آج کے دور میں آپ چلتے پھرتے بھی محسوس کر سکتے ہیں کہ یہ فکری کشمکش کا دور ہے۔ ہماری فکری بنیادیں کم زور ہوں گی تو مخالف افکار ان پر غالب آ جائیں گے۔ اسلام کے فکری غلبہ کو باقی رکھنے کے لیے آپ کو طویل اور مسلسل جدوجہد کرنی ہوگی۔ آپ جانتے ہیں کہ مغربی فکر کا غلبہ اس طرح ہوا کہ دو سو سال سے زیادہ عرصے تک اسے مضبوط کرنے کی کوشش کی گئی اور اب بھی کی جارہی ہے، تب یہ اپنی بنیادوں پر کھڑا ہے۔ اسے اگر آپ منہدم کرنا چاہتے ہیں، تو آپ خود سوچ سکتے ہیں کہ کتنی زبردست کوشش آپ کو کرنی ہوگی۔ یہ ہماری خواہش ہے اور بہت مبارک خواہش ہے کہ آج کے باطل نظریات ختم ہوجائیں، موجودہ فاسد نظام بدل جائے اور ایک نیا نظام وجود میں آجائے، نیا عقیدہ وجود میں آجائے، نیا فکر وجود میں آجائے، نئی اخلاقیات وجود میں آجائیں، نئی معیشت اور نئی معاشرت وجود میں آجائے، نئی سیاست وجود میں آجائے، خاندان کا نیا سسٹم وجود میں آجائے، لیکن محض ہماری خواہش سے اتنا بڑا واقعہ رونما نہیں ہوسکتا۔ اس کے لیے آپ کو ہر میدان میں یہ ثابت کرنا ہوگا کہ تمہارا جو سسٹم ہے اس سے بہتر سسٹم ہمارے پاس موجود ہے اور اسی سسٹم کو اختیار کر کے تم ان مسائل سے نجات پاسکتے ہو جن میں تم گھر چکے ہو اور پھر یہ سسٹم وہ ہے جو تمہاری دنیا کو بھی بہتر بنائے گا، تم آج سے زیادہ ترقی کروگے اور تمھاری آخرت کو بھی سنوارے گا۔ اس بات سے انکار آسان نہیں ہے کہ یہ دنیا یوں ہی ختم نہیں ہوجائے گی، بلکہ اس کے بعد آخرت آنے والی ہے اور ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے اور تمہارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے کہ آخرت آئے گی تو اس کا سامنا تم کرسکو گے۔ یہ دین وہ ہے جو تمہارے ذاتی اور شخصی مسائل بھی حل کرتا ہے، تمہارے جماعتی مسائل بھی حل کرتا ہے، ملی اور ملکی مسائل بھی حل کرتا ہے، تمھیں بہترین فیملی سسٹم دیتا ہے، تمھاری معیشت اور معاشرت کو صحیح رخ دیتا ہے اور تمھیں جنت کا مستحق بناتا ہے۔

انقلاب نعروں سے نہیں، فکر اور دلائل سے آتا ہے

دوستو! تحریکات میں جذبات کے اظہار کی، جلسوں اور جلوسوں کی اور متعین مقاصد کے لیے سیاسی جدوجہد کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے بغیر آج کے دور میں کسی

بڑی سیاسی تبدیلی کی توقع نہیں کی جاسکتی۔ آپ جب کوئی نعرہ بلند کرتے ہیں تو مجھ جیسے بوڑھے آدمی کے خون میں بھی حرارت پیدا ہو جاتی ہے، لیکن یہ کسی انقلاب کے لیے ناکافی ہے۔ انقلاب دنیا میں نعروں سے اور سلوگن سے نہیں آئے گا، انقلاب آئے گا فکر سے اور دلائل سے۔ دنیا آپ کی بات سن کر کہے کہ ہمارے سامنے ایک نیا سسٹم آ گیا ہے، اس پر غور کیے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ آج آپ کہیں بھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ کہیں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بہت سی چھوٹی بڑی تبدیلیاں رونما ہوتی ہی رتی ہیں، لیکن ہم جو تبدیلی چاہتے ہیں اس کے لیے ضروری ہے کہ دنیا یہ کہے کہ ہمارے سامنے ایک نیا فکر آ گیا ہے، اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے ۔ ایک متبادل پیش کیا جارہا ہے اور ایک نیا نقطۂ نظر غور وفکر کی دعوت دے رہا ہے، اس کی بنیاد پر بھی دنیا کا نظام چل سکتا ہے۔ یہ سوال ابھی ہم نے نہیں کھڑا کیا ہے۔ میں آپ کی خدمات کا ہزار بار اعتراف کروں گا، لیکن اس واقعے سے آپ انکار نہیں کر سکتے کہ دنیا میں یہ سوال ابھی تک آپ نے کھڑا نہیں کیا ہے، جب کہ آپ کے پاس مضبوط لٹریچر بھی ہے اور اس لٹریچر کی بنیاد پر یا اس نہج پر آپ اس سے بھی بڑا کام کر سکتے ہیں۔

تحریک اسلامی کو ماہر افراد مطلوب ہیں

اس کے لیے جس بات کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آپ میں سے کچھ افراد ایسے ضرور ہوں جو اپنی زندگیاں اس کے لیے وقف کر دیں۔ ان کا اوڑھنا بچھونا اسلامی فکر ہو، وہ یہ صلاحیت پیدا کریں کہ زندگی کے کسی بھی شعبے میں وہ سند کا درجہ رکھتے ہوں اور اسلام پر بھی ان کی باتیں مستند تسلیم کی جائیں۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ جس فیلڈ میں وہ بات کر رہے ہیں اس کا ان کو علم نہیں ہے اور اسلام سے پوری واقفیت کے بغیر وہ اس کے بارے میں اظہار خیال کر رہے ہیں۔ آپ میں سے کچھ افراد ایسے ضرور ہونے چاہیے جو اپنی زندگی لگا کر اپنی اپنی فیلڈ میں مہارت پیدا کریں اور اسلامی علوم پر بھی ان کو عبور ہو۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ مقام بڑی مشکل سے سماج میں کسی شخص کو حاصل ہوتا ہے، کہ لوگ کہیں کہ اس فن میں اس کی طرف رجوع کیا جانا چاہیے اور اس سے رہنمائی حاصل کی جانی چاہیے۔ اس کے لیے کچھ افراد آپ میں

سے تیار ہوں اور پوری جمعیت اور پوری جماعت کی ذمہ داری ہے کہ ان کے لیے اس کے مواقع فراہم کریں، تب یہ کام آگے بڑھے گا۔ بغیر خونِ جگر جلائے علمی وفکری کام انجام نہیں پاتا۔ جن شخصیات کو بھی آپ دیکھتے ہیں کہ انھوں نے کوئی بڑی علمی خدمت انجام دی ہے، انھوں نے اس کے لیے اپنی زندگیاں کھپا دیں، تب وہ اس قابل ہوئے کہ لوگوں نے انہیں اسلام پر سند مانا اور ان سے علمی وفکری رہنمائی حاصل کی۔

مہارت کے لیے قربانی دینی ہوگی

میں صرف یہ عرض کروں گا کہ بڑا مبارک قدم آپ نے اٹھایا ہے۔ جو روشنی یہاں سے پھیلی ہے اسے جاری رکھنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے آپ کو ایسے افراد چاہئیں جو اپنی زندگیاں اس میں لگا دیں، ہر طرح کی قربانی دیں، جن میں یہ حوصلہ ہو کہ اس کی خاطر دنیا کے مفادات کو بھی نظر انداز کرسکیں۔ مولانا مودودیؒ کی زندگی میں، آپ جانتے ہیں، کتنے ہی ایسے مواقع آئے کہ اگر وہ چاہتے تو کسی تعلیمی ادارے کے ذمہ دار ہوجاتے، کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہوجاتے، ہیڈ آف دی ڈپارٹمنٹ ہوجاتے۔ ایوب خان نے تو یہ چاہا تھا کہ وہ خود ایک یونیورسٹی قائم کریں اور اس کے وائس چانسلر ہوجائیں، لیکن انھوں نے کہا کہ مجھے یہ نہیں چاہیے، میں تو اسلامی فکر کا غلبہ چاہتا ہوں۔ اگر کوئی شخص ذرا ذرا سی ترغیب پر اور ذرا ذرا سی توقع پر علمی اور فکری کام چھوڑ دے اور جدھر کوئی چمک دیکھے ادھر دوڑ پڑے تو اس سے سرسری طور پر تو کچھ باتیں ظاہر ہوسکتی ہیں، لیکن وہ سند اور اتھارٹی نہیں بن سکتا اور دنیا اس کی طرف رجوع نہیں کرسکتی۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ پوری ایک ٹیم تیار ہو اور اس کی ذمہ داری جمعیت اپنے ہاتھ میں لے اور جماعت اس کا تعاون کرے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُوْلَـئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (آل عمران ۱۰۴)

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہوں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکیں، جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری امت پر یہ ذمہ داری ہے کہ خیر کی دعوت اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دے اور یہ بھی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے ایک جماعت تیار کرے۔ ظاہر ہے کہ ابھی ہم اس موقف میں نہیں ہیں کہ پوری امت کو اس کام میں لگا سکیں، یا امت کسی متعین منصوبہ کے تحت اس طرح کا کوئی ادارہ قائم کر سکے۔ آپ نے جب ارادہ کیا ہے تو اس کام کو آگے بڑھانے کی کوشش کیجیے اور اس کے لیے ممکنہ تدابیر اختیار کیجیے۔ مولانا مودودیؒ نے اپنی زندگی کے آخری مرحلے میں پہلے کراچی میں، پھر لاہور میں ادارۂ معارف اسلامی قائم کیا تھا۔ اب اس کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا ہے۔ میں تو صرف دعا کروں گا کہ آپ اپنے اس ارادہ میں کامیاب ہوں، اپنے اس ارادہ کو عزم میں تبدیل کریں اور اس فیصلے کے ساتھ اٹھیں کہ اس کام کے لیے جو قربانی مطلوب ہے وہ ہم پیش کریں گے، تب آپ کا یہ جذبہ بارآور اور نتیجہ خیز ہوگا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کتنے ایسے ادارے ہیں، جہاں کبھی کبھی کوئی پروگرام ہوجاتا ہے، اجلاس ہوجاتے ہیں، جلسے ہوجاتے ہیں، لیکچر ہوجاتے ہیں، سمینار ہوجاتے ہیں، لیکن ایسے افراد، جو اس کام میں اپنی زندگی لگا دیں اور اپنے آپ کو گھلا دیں، وہ کم ہوتے ہیں اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اس کے بغیر کوئی قابل ذکر کام انجام نہیں پا سکتا۔

ہمارے لیے یہ کوئی بڑی مثال نہیں ہے۔ صرف اپنی بات کی تائید اور توثیق کے لیے عرض کر رہا ہوں۔ مارکس، جس کے ذریعہ دنیا کے ایک بڑے حصے میں انقلاب آیا، اس کے بارے میں مشہور ہے کہ برلن کی لائبریری میں وہ سب سے پہلا شخص ہوتا جو داخل ہوتا اور سب سے آخری شخص ہوتا جو وہاں سے نکلتا۔ تب اس کے ذریعہ Capital جیسی تصنیف وجود میں آئی، جو دنیا کے بڑے حصے پر اثر انداز ہوئی۔ کیا اس کے پاس نوکریاں نہیں تھیں، مواقع نہیں تھے، لیکن اس کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ دنیا کا نقشہ بدلنا ہے، سرمایہ داری، زمین داری اور اس جیسی دوسری چیزوں کو ہٹا کر اور ظلم وزیادتی کو ختم کر کے سوشلسٹ سماج قائم کرنا ہے۔ وہ کتنا کامیاب ہوا اس سے بحث نہیں ہے، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ اس طرح کی جب کیفیت ہوتی ہے تب وہ چیز وجود میں آتی ہے جس سے دنیا کا نقشہ بدلتا ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو!

مسلمانوں کی تاریخ میں اس طرح کی بے شمار مثالیں ہیں کہ کچھ لوگوں نے اپنی زندگیاں کھپائیں اور آج ہم ان کی فکر اور علم وتحقیق سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔

آپ نے اکیڈمی کے قیام کا جو قدم اٹھایا ہے وہ بہت ہی بابرکت ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ پہلا اور آخری قدم نہ ہو، بلکہ آپ آگے ہی بڑھتے چلے جائیں اور مولانا مودودیؒ نے جو کام انجام دیا اس کو آپ اور آگے بڑھائیں۔ ظاہر ہے، مولانا مودودیؒ کی تمام تر عظمت کے باوجود آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے دنیا کے تمام مسائل حل کر دیے، اب کسی بھی مسئلہ پر گفتگو کرنے کی، سوچنے کی، سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے، اب کوئی سوال ہی ہمارے سامنے نہیں رہ گیا ہے۔ یہ تو وہی شخص کہہ سکتا ہے جو دنیا سے بے خبر اور حالات سے ناواقف ہو۔ اس لیے میری درخواست ہے کہ اس مرکز کو حقیقی معنیٰ میں تحقیقات کا مرکز بنائیے، اپنے کچھ لوگوں کو اس کام کے لیے فارغ کیجیے اور ایسے حوصلہ مند افراد تلاش کیجیے جو اپنی زندگیاں اس کام میں لگائیں اور اس کام کو آگے بڑھائیں۔ یہی کامیابی کا راستہ ہے۔

(یہاں تک کا خطاب سید مودودی اکیڈمی لاہور کے افتتاح کے موقع کا تھا۔ آگے کا خطاب اور سوالات وجوابات ادارۂ معارف اسلامی کراچی میں ہوئے تھے۔)

تحریک اسلامی کو درکار علمی وفکری کام اور اس کے لیے مطلوب افراد

دوستو اور ساتھیو!

ہم اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ آج مغربی فکر دنیا پر چھایا ہوا ہے۔ گو اس فکر پر تنقید بھی ہوتی رہتی ہے، لیکن اس کو مضبوط بنانے کی کوششیں بھی مسلسل جاری ہیں۔ اس لحاظ سے ہماری کوششیں اگر آپ دیکھیں تو بہت کم ہیں۔ دوسری زبانوں میں ہونے والے کاموں کا تو مجھے زیادہ علم نہیں ہے، لیکن اردو میں جو کچھ کام ہو رہا ہے اس سے آپ بھی واقف ہیں اور میں بھی کسی حد تک واقفیت رکھتا ہوں۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کام کو آگے بڑھانے کے لیے جس طرح کے افراد کی ضرورت ہے وہ ہمیں مل نہیں رہے ہیں۔ ہندوستان

ہو یا پاکستان، دونوں جگہوں پر یہی صورت حال ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو یہ کام انجام دینا چاہتے ہیں اور دل و جان سے اس میں لگے ہوئے ہیں۔ علمی کاموں کا معاملہ یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی وقف کرتا ہے تو اس قابل ہوتا ہے کہ کسی موضوع پر اطمینان کے ساتھ اظہار خیال کر سکے۔ کبھی کبھی میں کہتا ہوں کہ تصنیف وتالیف مستقل پتہ ماری کا اور بہت ہی صبر آزما کام ہے۔ اس میں کافی وقت لگتا ہے کہ آدمی سوچ سمجھ کر کوئی نقطہ نظر پیش کرے یا کسی موقف کی، دلائل کے ساتھ وکالت کرے۔ اس کے بعد ایک وقت آتا ہے اور وہ بھی لمبے عرصے کے بعد کہ اس کی تحریریں پڑھی جاتی اور اس کے خیالات سنے جاتے ہیں۔ نہ ہر شخص کی تحریر پڑھی جاتی ہے، نہ ہر کسی کے خیالات سنے جاتے ہیں۔

ہم سب اس تجربہ سے گزر چکے ہیں، بلکہ اب بھی گزر رہے ہیں کہ خود ہی لکھتے ہیں اور خود ہی پڑھتے ہیں۔ اس راہ میں ایک طویل عرصہ کے بعد لوگ تسلیم کرتے ہیں کہ اس موضوع پر اس شخص کو بولنے کا حق ہے۔ تب اس کی تحریریں پڑھتے ہیں اور اس کے خیالات سنتے ہیں۔ ہماری کم زوری یہ ہے کہ ہم اس طرح کی زحمت اور محنت کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس کے لیے جس طرح کی محنت چاہیے، یکسوئی چاہیے، اور سب سے بڑی بات یہ کہ قربانی چاہیے، وہ ہمارے اندر نہیں ہے۔ ہماری پوری تاریخ گواہ ہے کہ جن لوگوں نے علمی کام کیا انھوں نے اپنی پوری زندگی اس میں لگا دی۔ ان کے لیے دنیا حاصل کرنے اور ترقی پانے کے مواقع تھے، لیکن انھوں نے نظر انداز کر دیا۔ ایک موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنے بارے میں اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم جیسے لوگ اگر چاہیں تو بیرونِ ملک ملازمت، یونی ورسٹی کی پروفیسری یا دوسرے عہدے حاصل کر سکتے ہیں، لیکن ہم نے طے کیا ہے کہ ہندوستان میں رہیں گے اور یہاں جو خدمت کر سکتے ہیں کریں گے۔ اس میں کوئی مبالغہ نہیں تھا۔ جب انھوں نے یہ بات کہی تھی تو واقعی وہ اس پوزیشن میں تھے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہوتا ہے جنھوں نے علمی کام کیا ہے یا ان کا کوئی کنٹری بیوشن (Contribution) رہا ہے۔ انھوں نے طویل عرصہ تک قربانیاں دی ہیں، تب کہیں جا کر وہ اس مقام تک پہنچے ہیں۔ اب چوں کہ علوم شاخ در شاخ ہو گئے ہیں، اس لیے اس بات کی ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ہر علم میں ایسے

محققین پیدا ہوں، جو اپنے علم میں بھی مہارت رکھتے ہوں اور ساتھ ہی اسلام پر بھی ان کی گہری نظر ہو اور ان کی تحریریں پڑھنے سے اندازہ ہو کہ ان کی اپنے شعبے پر بھی گہری نظر ہے اور اسلام کا بھی ان کا وسیع مطالعہ ہے۔ اس طرح کے افراد لمبی مدت کے بعد تیار ہوتے ہیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دور حاضر کے علمی تقاضوں کا احساس ہمارے درمیان موجود ہے، اگر کچھ افراد اس کے لیے تیار ہو سکے اور جو میدان خالی ہے یا جس شعبے میں تلاش وتحقیق کی ضرورت ہے اس میں قابل ذکر خدمت انجام دے سکے تو آگے کی راہ ہموار ہونے لگے گی۔ جب تک کسی تحریک کی علمی وفکری بنیادیں مضبوط نہ ہوں اس وقت تک کوئی تبدیلی نہیں آسکتی۔ اسلام اب تک اس لیے باقی ہے کہ اس کی فکری بنیادیں مضبوط ہیں۔ اس پر اعتراضات کیے گئے تو ان کا جواب دینے والے پائے گئے۔ اب اس دور میں جو خلا محسوس ہو رہا ہے اور تمام تر کوششوں کے باوجود وہ پُر نہیں ہو پا رہا ہے، اس کو اگر ہم پُر کرنے کی کوشش کرسکیں تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی بہت بڑے اجر وثواب کے مستحق ہوں گے اور ان شاء اللہ تحریک اسلامی کو بھی آگے بڑھانے میں مدد ملے گی۔

آپ حضرات اپنے اپنے میدان میں تجربہ اور معلومات رکھتے ہیں۔ آپ خود سوچیں کہ اسلام کو آج کے دور میں کس طرح پیش کیا جائے کہ اس فیلڈ کے ماہرین بھی آپ کی پختگی اور مہارت کو تسلیم کریں اور اسلام کو جاننے والے بھی سمجھیں کہ اسلام کی ٹھیک ٹھیک ترجمانی ہو رہی ہے اور اس میں کوئی غلط بات نہیں آئی ہے۔

[اس گفتگو کے بعد حاضرین کی طرف سے کچھ سوالات کیے گئے، جن کے محترم امیر جماعت نے جوابات دیے۔ چند منتخب سوالات اور ان کے جوابات ذیل میں پیش کیے جا رہے ہیں]

مولانا مودودیؒ کے بعد ان کے معیار کا علمی کام کیوں نہیں ہو پایا؟

سوال ⟨۱⟩ : پاکستان میں ایک عمومی تاثر یہ ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ نے جو علمی و فکری کام کیا تھا وہ ان کے بعد آگے نہیں بڑھ سکا، اسی سطح پر رک گیا ہے۔ آپ کی گفتگو سے تاثر ملتا ہے کہ ہندوستان میں بھی یہی صورت حال ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب : مولانا مودودیؒ جیسی شخصیات نمونے کا کام کرتی ہیں ۔آپ اس کی توقع نہیں کر سکتے کہ بہت سے مودودی پیدا ہوجائیں، یا ان کی طرح کا علمی کام کرنے والے بہت سے افراد سامنے آجائیں ۔ یہ صحیح ہے کہ مولانا مودودیؒ نے جو علمی کام کیا اس کی بڑی قدر و قیمت ہے، عرصہ تک اس کا وزن محسوس کیا جائے گا، لیکن اس کے ساتھ یہ بھی امر واقعہ ہے کہ یہاں علمی خلا نہیں رہا ہے۔بعض وہ موضوعات، جن پر مولانا مودودیؒ کو کام کا موقع نہیں ملا، یا وہ صرف ان کی طرف اشارے ہی کر سکے، جماعت کے اہل علم نے ان کو آگے بڑھایا ہے۔بعض نئے موضوعات بھی اپنائے گئے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ علمی سطح سے اس پورے کام کا ایک معیار نہیں ہے۔آپ اس میں فرق دیکھیں گے۔ یہ ایک فطری بات ہے۔

علمی کام انفرادی سطح پر ہو یا اجتماعی سطح پر؟

سوال (۲): کیا یہ علمی و تحقیقی کوششیں انفرادی طور پر ہی ہوتی رہیں گی، یا ادارۂ معارف اسلامی اور اس جیسے دیگر ادارے اس کو منظّم انداز میں آگے بڑھا سکتے ہیں؟ یہ بات کہ لکھنے والے اب نہیں رہے تو کیا ان اداروں کے ذریعے لکھنے والے افراد کو ایک جگہ جمع کرکے کام کو آگے نہیں بڑھایا جاسکتا؟

جواب : کام تو اصلاً فرد ہی کرتا ہے، ادارے اس میں معاون ہوتے ہیں۔اداروں کا کام ہے کہ ایسے افراد کو جوڑیں اور ان کے کچھ مسائل یا دشواریاں ہوں تو انہیں حل کرنے کی کوشش کریں ۔ہم ادارۂ معارف اسلامی کو بھی یہی مشورہ دیں گے اور اس نوعیت کے دیگر اداروں کو بھی کہ جن افراد کے اندر یہ جذبہ ہے کہ وہ اسلام کی علمی وفکری خدمت کریں، ان کے مسائل کو دیکھیں اور انھیں حل کرنے کی کوشش کریں۔

انفرادی طور پر جو کام ہوتے ہیں اور اجتماعی طور پر جو کوششیں انجام دی جاتی ہیں ان میں بہ ہر حال فرق ہوتا ہے۔ اجتماعی کوششیں ان کمیوں کو دور کرتی ہیں جو انفرادی کوششوں میں رہ جاتی ہیں۔اگر ادارہ ہو، لیکن افراد ہی نہ ہوں تو کوئی کام نہیں ہوسکتا اور افراد ہوں، لیکن ان کے مسائل حل نہ ہوں تو بھی کام رک جائے گا۔ دونوں کے تعاون کے ساتھ ہی بہتر طریقے

سے کام انجام پاسکتا ہے۔ یونی ورسٹیوں میں اس طرح کا ماحول کسی قدر پایا جاتا ہے۔ وہاں جب کسی شخص کی ریسرچ کا مرحلہ آتا ہے تو یونی ورسٹی اس کی مدد کرتی ہے۔ علمی وفکری مدد بھی اور مالی مدد بھی۔ اس کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ یونیورسٹیوں کا معیارِ تحقیق بہت بلند ہے اور بہت اعلیٰ کام انجام پاتا ہے، لیکن طریقہ کار صحیح ہے۔ یہی طریقہ اداروں کو بھی اختیار کرنا چاہیے۔ اگر کچھ افراد ہمارے یہاں تیار ہوں تو اداروں کو چاہیے کہ ان کا ہر طرح تعاون کریں، ان کے لیے سہولتیں اور مواقع فراہم کریں۔ اس کی کمی محسوس ہوتی ہے۔ ہمارے درمیان ایسے افراد بھی مل جائیں گے کہ انھوں نے کوئی تحقیق کی، لیکن اس کی اشاعت ہی کی نوبت نہیں آئی۔ اس کا انتظام ادارے کرسکتے ہیں۔ بہ ہرحال دونوں کے تعاون ہی سے یہ کام انجام پاسکتے ہیں۔

کیا مشرق میں اجتماعی طور پر کام کا رجحان نہیں ہے؟

سوال (۳): مغرب میں ہم دیکھتے ہیں کہ وہاں بڑے کام اداروں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں۔ چاہے سائنس میں ہو، کلچر میں ہو یا کسی اور میدان میں، جب کہ ہمارے یہاں جو بھی کام ہوا ہے وہ انفرادی طور پر ہوا ہے، چاہے وہ مولانا مودودیؒ کے ذریعہ ہوا ہو یا مولانا امین احسن اصلاحیؒ، یا دیگر حضرات کے ذریعے۔ اسی وجہ سے ہمارے یہاں منظّم اور منصوبہ بند طریقے سے علمی کام انجام نہیں دیا جاسکا ہے؟

جواب: آپ کی بات صحیح ہے کہ مغرب میں ادارے قائم کرنے اور ان کے ذریعے کام انجام دینے کا رجحان زیادہ ہے۔ ہمارے یہاں اداروں کے ذریعے کوششیں کم ہوئی ہیں۔ لیکن بہ ہرحال جب تک ہمارے یہاں ادارے نہ ہوں تب تک افراد ہی کو کام کرنا ہوگا۔ افراد کے کام کرنے کی راہ میں مشکلات ہیں اور ہمارے ادارے بھی اس پوزیشن میں نہیں ہیں کہ بڑے پیمانے پر افراد کی سرپرستی کرسکیں، لیکن ممکنہ اشتراک سے کام آگے بڑھ سکتا ہے۔ ماضی میں بعض ادارے ایسے رہے ہیں جن سے اہم علمی کام انجام پایا ہے، خواہ وہ تحریکی کام نہ ہو، بہ ہرحال علمی کام ہے اور معیاری ہے۔ پاکستان میں بھی اس طرح کے متعدد ادارے ہیں۔ بہ طور مثال ہندوستان میں دارالمصنفین اعظم گڑھ کا نام لیا جاسکتا ہے۔ اگرچہ اس کی خدمات کا

زیادہ ذکر نہیں ہوتا، لیکن کسی زمانے میں اس سے مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالسلام ندویؒ جیسی شخصیات وابستہ تھیں۔ اور بھی بہت سی علمی شخصیات اس سے متعلق رہی ہیں۔ اور آپ کو معلوم ہوگا کہ مولانا مودودیؒ کی پہلی کتاب 'الجہاد فی الاسلام' سب سے پہلے اسی ادارے سے شائع ہوئی تھی۔ اس طرح کے اور بھی ادارے ہیں، جو فکر اسلامی کی ترجمانی کررہے ہیں۔ مولانا مودودیؒ نے ذاتی طور پر بھی کام کیا اور ادارے بھی قائم کرنے کی کوشش کی۔ یہ ادارہ (ادارۂ معارف اسلامی کراچی) بھی انہی کا قائم کردہ ہے۔ اب اس ادارہ کو آپ کتنا مفید بناتے ہیں اور اس سے کتنا کام لیتے ہیں، یہ آپ کی کوششوں پر منحصر ہے۔

علمی وفکری روایت کے کم زور پڑنے کی وجوہ

سوال (۴): ہماری علمی وفکری روایت کیوں کم زور ہوئی ہے؟ جب تک اس کی وجوہات طے نہیں کی جائیں گی اس وقت تک اس کا تدارک نہیں ہوسکتا۔ کیا ہمارا مزاج تبدیل ہوگیا ہے؟ یا ہماری توجہ ہٹ گئی ہے؟ یا ہم پڑھنے لکھنے والے افراد کو اپیل نہیں کرپارہے ہیں؟ یا ہمارے اندر کوئی پڑھنے لکھنے پر آمادہ نہیں ہے؟

جواب: اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں۔ آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری تحریریں اتنی جان دار نہیں ہوتیں جتنی مولانا مودودیؒ کی ہوتی تھیں۔ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے یہاں پڑھنے لکھنے کا رجحان کم ہوگیا ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ کوئی کام ہی نہیں ہورہا ہے۔ مولانا مودودیؒ تحریک اسلامی کے بانی اور قائد تھے۔ ان سے وابستگانِ تحریک کو جو عقیدت ہے وہ ہر ایک سے نہیں ہوسکتی۔ اس کے باوجود جماعت اسلامی میں مولانا مودودیؒ کے علاوہ دیگر اصحاب علم نے بھی جو فکری خدمات انجام دی ہیں ان کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ علمی دنیا میں ان کا بہرحال اعتبار ہے۔ بات صرف اس علمی روایت کو آگے بڑھانے کی ہے۔ اس کی فکر ہونی چاہیے۔ آپ کی تحریریں مواد اور پیش کش کے لحاظ سے پرکشش ہوں گی تو وہ خود آہستہ آہستہ اپنی جگہ بنالیں گی۔

موجودہ دور میں کن موضوعات پر تحقیق کی جائے؟

سوال (۵): آج کن موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت ہے؟

جواب: مغرب میں، کوئی موضوع ایسا نہیں جس پر کام نہ ہوا ہو۔ آدمی کو جس موضوع سے بھی دل چسپی ہو اور وہ مغربی فکر کو جاننا چاہے تو جان سکتا ہے۔ اس نے اپنے طور پر ثابت کر دیا کہ انسان کو خدا پر ایمان کی ضرورت نہیں ہے، وہ آسمانی ہدایت کا محتاج نہیں ہے، وہ اپنی عقل، تجربہ اور قیاس سے فائدہ اٹھا کر زندگی کی راہ تلاش کر سکتا ہے۔ اب اس کے مقابلہ میں آپ کو خدا کے وجود، اس کی ہدایت کی ضرورت اور انسانی ذرائع علم کا ناکافی ہونا دلائل سے ثابت کرنا ہے۔ آپ کو جس موضوع سے بھی دل چسپی ہو اور جس میں بھی آپ نے مہارت حاصل کی ہو، اسلام کا بھی اسی گہرائی کے ساتھ مطالعہ کریں اور مغرب کی تحقیق کے مقابلہ میں اپنے نتائج تحقیق اسلامی نقطۂ نظر سے پیش کریں۔ آپ میں سے کسی کو سوشل سائنسز سے دل چسپی ہوگی، کوئی فزیکل سائنس کا آدمی ہوگا۔ کوئی بھی شخص اپنی لائن متعین کر سکتا ہے اور اس پر کام کر سکتا ہے۔ یہ ایک واقعہ ہے کہ ہمارے یہاں سماجی علوم میں بعض موضوعات پر کسی قدر کام ہوا ہے، بعض موضوعات پر نہیں ہوا ہے۔ مثلاً معاشیات پر ہمارے حلقے میں خاصا کام ہوا ہے، ایسا کام، جسے معیاری تسلیم کیا گیا ہے، لیکن بعض دیگر موضوعات پر کام نہیں ہوا ہے۔

جدید موضوعات پر کام کرنے کی ضرورت

سوال (۶): مولانا مودودیؒ نے اپنے زمانے کے جدید موضوعات پر کام کیا اور ان کے سلسلے میں اسلام کی رہ نمائی فراہم کی۔ آج ایسا محسوس ہوتا ہے کہ روایتی موضوعات پر تو کام ہو رہا ہے، لیکن موجودہ زمانے کے جدید موضوعات پر کام نہیں ہو رہا ہے۔

جواب: دیکھیے، اگر آپ کوئی کمی محسوس کر رہے ہیں تو ہماری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کی کوشش کریں۔ مولانا مودودیؒ نے اپنے زمانے میں جو علمی کام کیا اس کی قدر و قیمت تسلیم کرنے کے باجود اس بات کا امکان ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ اس میں

پیش کردہ کچھ معلومات پرانی ہوگئی ہوں۔ میں ایک مثال دیتا ہوں، مولانا مودودیؒ نے ضبط ولادت پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا تھا، پروفیسر خورشید احمد نے بعد میں اس میں جدید معلومات کا اضافہ کیا۔اب اس سے آگے بھی بعض مسائل کھڑے ہوگئے ہیں۔علمی میدان میں کوئی بھی چیز کہیں جاکر رک نہیں جاتی۔ آج دنیا جس تیزی سے بدل رہی ہے، اس میں تو بڑی تبدیلی آرہی ہے۔ اس لیے یہ احساس تو صحیح ہے کہ آج جو کام ہورہا ہے اس سے جدید تقاضے پورے نہیں ہورہے ہیں، البتہ سوچنے کی چیز یہ ہے کہ اس کام کو ہم بہتر طریقے پر کیسے انجام دے سکتے ہیں اور اس میں ہمارا کیا کنٹری بیوشن (Contribution) ہوسکتا ہے؟

علمی کاموں کی بڑے پیمانے پر اشاعت کرنے کی تدابیر

سوال (۷): مغرب میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اس کا بڑے پیمانے پر اشتہار ہوتا ہے۔مولانا مودودیؒ نے نوجوانوں اور جدید تعلیم یافتہ طبقے کے لیے جو کچھ لکھا اس نے اگرچہ بہت سے لوگوں کو متاثر کیا، لیکن زیادہ بڑے پیمانے پر اس کی پبلسٹی نہیں ہوسکی۔ میں سمجھتا ہوں کہ آج جماعت اسلامی کے کرنے کا کام یہ ہے کہ اس کے پاس جو علمی اثاثہ ہے وہ مغربی دنیا تک بھی پہنچے اور پاکستان اور ہندوستان میں بھی جہاں جہاں وہ نہیں پہنچ سکا ہے وہاں پہنچانے کی کوشش کی جائے۔اس کے لیے کیا تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں؟

جواب: مغرب کا معاملہ یہ ہے کہ وہاں کوئی چیز آتی ہے تو مختلف وسائل وذرائع سے بڑے پیمانے پر اس کا اشتہار و اعلان ہوتا ہے، لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ یہ مزاج ہمارے یہاں نہیں ہے۔ اس لیے کوئی تحریر، خواہ وہ مولانا مودودیؒ کی ہو یا کسی اور کی، زیادہ بڑے پیمانے پر پڑھی نہیں جاتی۔ اب یہ ہمارے سوچنے کی چیز ہے کہ اگر کوئی ایسی تحریر ہے، جسے مغرب تک پہنچنا چاہیے تو اس کے لیے کیا تدبیر اختیار کی جائے۔ یہ بات صحیح ہے کہ مولانا مودودیؒ کی تحریروں سے ایک خاص طبقہ متاثر ہوا، لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہر حلقہ میں پہنچ گئیں۔آپ کے اور ہمارے سوچنے کی چیز یہ ہے کہ جہاں وہ نہیں پہنچ سکی ہیں وہاں پہنچانے کی کیا تدبیر اختیار کریں۔ اس کے ساتھ اس واقعہ کو بھی تسلیم کرنا چاہیے کہ ہمارے یہاں جب بھی

علمی وفکری کام کی بات آتی ہے تو مولانا مودودیؒ ہی کی شخصیت سامنے آتی ہے۔ یہ امر واقعہ ہے کہ مولانا مودودیؒ نے بڑا کام کیا ہے، ان کی عظیم خدمات ہیں، انھوں نے راہ دکھائی ہے، لیکن ان کی رسائی، جیسا کہ عرض کیا گیا، ایک خاص طبقے تک رہی ہے۔ مولانا مودودیؒ کے علاوہ دوسرے لوگوں کی تحریریں بھی ہوسکتی ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ انھیں غیر مسلم دنیا تک کیسے پہنچایا جائے؟

میڈیا میں تحریک اسلامی کا نفوذ

سوال ﴿۸﴾: ایک احساس ہوتا ہے کہ میڈیا اور ذرائع ابلاغ میں اسلامی تحریکوں کا نفوذ بہت معمولی ہے، جب کہ اس کی غیر معمولی اہمیت سے ہم انکار نہیں کرسکتے۔

جواب: میڈیا ایک بڑی طاقت ہے۔ آج لوگوں کا ذہن بنانے میں تصنیفات وتالیفات سے زیادہ میڈیا کا حصہ ہوگیا ہے، لیکن اس میدان میں ہمارا اپروچ نہیں ہے۔ پاکستان میں کیا صورت حال ہے، اس کا مجھے علم نہیں ہے۔ ہندوستان میں ہم نے کوشش کی تھی کہ ہمارا کوئی چینل ہو۔ اس میں ابھی ہم کامیاب نہیں ہوسکے ہیں۔ البتہ جماعت اسلامی کیرلا نے کوشش کرکے اپنے چینل کی اجازت حاصل کرلی ہے۔ ان شاء اللہ جلد وہ کام کرنے لگے گا۔ یہ چینل ملیالم زبان میں ہوگا۔ مرکز جماعت میں ہم اس بات کی کوشش کررہے ہیں کہ ہمارا کوئی میڈیا ہاؤس ہو، جہاں ہم کچھ چیزیں تیار کرکے دوسروں کو فراہم کرسکیں۔ اس کام میں ہم لگے ہوئے ہیں۔ ان شاء اللہ جلد اس کی کوئی صورت سامنے آئے گی۔

تحریک اسلامی کا علمی کام مختلف زبانوں میں

سوال ﴿۹﴾: میری معلومات کی حد تک ہندوستان میں اسلامی تحریک کا تمام کام اردو زبان میں ہے، دوسری زبانوں میں ہمارا کام نہیں ہے۔ اس وجہ سے کیا ایسا نہیں لگتا کہ ہم حاشیہ پر چلے گئے ہیں اور دوسری زبان بولنے والوں سے ہمارا رابطہ نہیں ہے اور ہم ان میں تحریک کا کام نہیں کرپارہے ہیں۔

جواب: آپ کی یہ بات صحیح نہیں ہے کہ ہمارا تمام کام اردو زبان میں ہے۔ ہندوستان کی جتنی بڑی ریاستیں ہیں، ان میں جو زبانیں بولی جاتی ہیں ان میں ہمارا لٹریچر موجود ہے۔ جو کتابیں اردو میں تیار کی گئی ہیں انھیں ان زبانوں میں منتقل کیا جارہا ہے۔ قرآن کریم کا ترجمہ ان زبانوں میں کیا گیا ہے، احادیث کے مجموعے تیار کیے گئے ہیں۔ ملیالم، کنڑ، بنگلہ، تمل، مراٹھی اور دیگر علاقائی زبانوں میں بڑی تعداد میں ہم نے اپنے لٹریچر کا ترجمہ کردیا ہے اور ان زبانوں میں طبع زاد کتابیں بھی شائع ہورہی ہیں۔

☆☆☆

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

موجودہ دور میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان تعلقات کا موضوع کافی اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اسلام دشمن اور متعصب ذہن نے اس سلسلہ میں بڑی غلط فہمیاں پیدا کردی ہیں۔ مثلاً انھوں نے یہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو موجبِ گردن زنی قرار دیتا ہے اور اس میں مذہبی رواداری اور توسّع نہیں پایا جاتا۔ اس کتاب میں غیر مسلموں کے ساتھ حسنِ سلوک، ان کی مذہبی آزادی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات پر اسلامی نقطۂ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے جاندار اور رواں دواں قلم نے سلیس اور دلکش اسلوب میں پیچیدہ مسائل کی گتھی سلجھائی ہے۔

ہندوستان کے پس منظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کا موضوع مستقل زیر بحث رہتا ہے۔ اس پر یہ اپنی نوعیت کی پہلی مفصل کتاب ہے، جو اسلام کے موقف کو بہترین انداز میں پیش کرتی ہے۔ اس سے دعوت وتبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی بھی ایک اہم ضرورت پوری ہوتی ہے۔

آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات: ۳۳۲ قیمت (مجلّد) ۱۴۰ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳ علی گڑھ ۱
مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی ۲۵

تحقیق وتنقید

رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور ان کے محرکات

——— ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی

رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے جن پہلوؤں کو مستشرقین اور دیگر مخالفینِ اسلام نے اعتراضات اور تنقیدوں کا نشانہ بنایا ہے، ان میں سے ایک غزوات کا پہلو بھی ہے۔ ان کے نزدیک ان غزوات وسرایا کا مقصد لوٹ مار اور نئی قائم شدہ اسلامی ریاست کی معاشی بنیادوں کا استحکام تھا۔ علمائے اسلام اور خاص طور پر جدید مسلم سیرت نگاروں نے ان اعتراضات کا جواب دیا ہے اور غزواتِ نبوی کے حقیقی محرکات بیان کیے ہیں۔ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی نے تقریباً دو دہائیوں قبل پروفیسر رؤوفہ اقبال، سابق صدر شعبۂ دینیات (سنی) مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی تصنیف 'عہد نبوی کے غزوات وسرایا' شائع کی تھی، جو اپنے موضوع پر ایک بھرپور، تحقیقی اور مستند کتاب ہے۔

اس موضوع پر اہل علم کی تحریروں میں دو مختلف نقطہ ہائے نظر پائے جاتے ہیں۔ بعض حضرات غزواتِ نبوی کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں: ایک دفاعی اور دوسری اقدامی۔ انھوں نے ان اقدامی غزوات کے اسباب ومحرکات بھی بیان کیے ہیں۔ جب کہ بعض حضرات تمام غزوات کو دفاعی نوعیت کا قرار دیتے ہیں۔ زیر نظر مقالہ میں بھی یہی رخ اختیار کیا گیا ہے۔ بہرحال اسے ایک نقطۂ نظر کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ جو حضرات اول الذکر نقطۂ نظر کے اعتبار سے اظہارِ خیال کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے تحقیقات اسلامی کے صفحات حاضر ہیں۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوتی جدوجہد سے صرف ۲۳/ سال کی مدت میں اسلام پورے جزیرۃ العرب میں پھیل گیا اور اس کی شعاعیں دوسرے ملکوں پر بھی پڑنے لگیں۔

ہر طرف امن وامان کا دور دورہ ہوگیا، عزت وعصمت محفوظ ہوگئی اور تہذیبی و اخلاقی قدریں بحال ہوگئیں۔ نبی اکرم ﷺ کی اس عظیم کامیابی پر مشرق ومغرب کے معاندین اسلام جب گفتگو کرتے ہیں تو انہیں سوائے خرابی اور بدی کے اور کچھ نظر نہیں آتا۔ یہاں سیرت مقدسہ کے دیگر پہلوؤں کا ذکر نہیں ہے صرف غزوات وسرایا کا ذکر ہے۔ معاندین جب عہد نبوی کی جنگوں پر بحث کرتے ہیں تو ان میں مختلف قسم کے عیوب نکالنے اور متعدد قسم کے اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔ ان میں سے ایک مشہور اعتراض یہ ہے کہ عہد نبوی میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں وہ لوٹ مار پر مبنی تھیں، تاکہ مالی استحکام حاصل ہو۔ مشہور مستشرق 'جرجی زیدان' نے لکھا ہے:

''عہد و پیمان سے فراغت حاصل ہوگئی اور پرامن جگہ رہنے سے اطمینان ہوگیا تو مسلمانوں کو اہل مکہ کی ایذا دہی اور ان کے مظالم کا خیال آیا۔ انہوں نے انتقام لینے کی غرض سے قریشیوں پر چھاپہ مارنے اور جنگ کرنے کا قصد مصمم کیا اور بہت سے مشہور غزوات وجود میں آئے، جو اسلامی جنگوں کا مقدمہ تھے۔ اسلامی جنگ عرب کی معمولی عادت کے موافق، جس کے وہ زمانۂ جاہلیت سے عادی تھے، چھوٹی چھوٹی مہموں اور قتل وغارت سے شروع ہوکر شہروں اور ملکوں کی فتح پر تمام ہوئی۔ ان غزات میں سب سے اہم غزوۂ بدر کبری کی مہم تھی، کیوں کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی کامیابی نے انہیں پے درپے جنگ وجدل کرتے رہنے کا شوق دلایا اور ان کے ارادوں کو قوی بنادیا''[۱]

ایک دوسرا اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ان جنگوں کے ذریعہ آپؐ لوگوں کے اندر خوف ودہشت پیدا کرنا چاہتے تھے، تاکہ وہ مائل بہ اسلام ہوں۔ اسی وجہ سے قبول اسلام کے غیر معمولی واقعات رونما ہوئے۔ مستشرق 'ولہاوزن' نے لکھا ہے:

''وہ کیا چیز تھی جس نے اسلام میں داخلی قوت اور استحکام پیدا کر دیا تھا۔ اسلامی روایتیں اس سے بحث نہیں کرتیں۔ بلکہ وہ صرف اس طاقت کے خارجی مظاہرے کے بیان پر اکتفا کرتی ہیں۔ محمد [ﷺ] کے قیام مدینہ کے زمانے کے تمام حالات مغازی رسول اللہ کے تحت بیان ہوتے ہیں۔ مدینے

کے قرب و جوار کے بعض چھوٹے چھوٹے قبائل (جہینہ، مزینہ، اسلم اور خزاعہ) کے ساتھ محمد [ﷺ] نے صلح و آشتی کا برتاؤ کیا۔ فیاضانہ غیر جانب داری نے بڑھتے بڑھتے اتحاد کی صورت اختیار کی اور بالآخر یہ سب کے سب مدنی سامراج میں داخل ہوگئے۔ لیکن باقی عرب کے ساتھ خود ان کے اصول نے انہیں محاربانہ رویہ اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ ٹھیک اسی وقت سے، جب سے اسلام نے دین کو چھوڑ کر حکومت کا لباس پہن لیا، ضرورت محسوس ہوئی کہ کافروں سے جنگ کر کے اسلام کی فضیلت کا ثبوت دیں۔ اصول کی جنگ کو تلوار سے فیصل کرنا پڑا اور اللہ کی حاکمیت مطلق کا اظہار ان لوگوں پر، جو اسے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، جبر و تشدد کے ذریعہ کیا گیا۔ بجائے عیسیٰ کے اگر محمد [ﷺ] یہ کہتے تو زیادہ مناسب تھا کہ ''میں امن کے لیے نہیں آیا ہوں، بلکہ تلوار لایا ہوں۔'' اسلام گویا بت پرستوں کے خلاف ایک مستقل اعلانِ جنگ کی حیثیت رکھتا ہے۔''[۲]

عہد نبوی کی جنگوں کے تفصیلی تجزیہ کا یہ موقع نہیں ہے۔ اس وقت صرف ان جنگوں کے محرکات پر روشنی ڈالنی مقصود ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ وضاحت ضروری ہے کہ غزوات و سرایا کا آغاز ہونے سے قبل مسلمان مدینہ میں کن حالات سے دوچار تھے۔ اس سے بہ خوبی واضح ہوجائے گا کہ یہ جنگیں کیوں واقع ہوئیں اور پہل مسلمانوں نے کی یا دوسرے لوگوں نے۔

ہجرت مدینہ پر کفار مکہ اور مدینہ کے یہودیوں اور منافقین کا ردعمل

جن لوگوں نے آپؐ کی دعوت پر لبیک کہا اور ان کا سینہ ایمانی بصیرت سے منور ہوا، انہیں دیکھ کر کفار مکہ تلملا گئے، ان کا جوشِ غضب بھڑک اٹھا اور وہ انہیں طرح طرح کی اذیتیں دینے لگے۔ خود نبی اکرمؐ کو کفار و مشرکین نے شدید تکالیف پہنچائیں، یہاں تک کہ منصوبہ بند طریقے سے آپؐ کے قتل کا فیصلہ کرلیا۔ اسی عالم میں جب کہ کارِ نبوت کے بارہ سال

گزر چکے تھے، آپؐ اور آپ کے صحابہ سخت مصائب سے گزر رہے تھے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا۔ اکثر اہل ایمان مال ودولت اور زمین و جائداد، عزیز واقارب، سب کچھ چھوڑ کر بے سروسامانی کی حالت میں مدینہ آگئے۔ یہاں کے مسلمانوں نے آپؐ کا اور آپؐ کے ساتھیوں کا والہانہ استقبال کیا۔ حضور اکرم ﷺ کی آمد پر نہ صرف مسلمانوں کو حددرجہ خوشی ہوئی، بلکہ یہاں کے یہودیوں نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ آپ کی مدد اور رہ نمائی سے انھیں ان کے دشمنوں پر نصرت وفتح اور برتری حاصل ہوگی۔ جس وقت حضورؐ مدینہ میں داخل ہو رہے تھے، انہی دنوں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی بن سلول مدینہ کا سردار بننے والا تھا۔ اس کی تاج پوشی کی ساری تیاری بھی ہوگئی تھی۔ لیکن حضورؐ کے مدینہ پہنچنے سے اس کا خواب چکنا چور ہوگیا اور لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹ کر نبیؐ پر مرکوز ہوگئی۔ اس وجہ سے وہ آپ کا دشمن بن گیا۔ بعض وجوہ سے وہ کھلے عام حضورؐ سے کچھ کہنے کی جرأت تو نہیں کرسکتا تھا، لیکن درپردہ منافقانہ رول ادا کرنے لگا۔

میثاق مدینہ کے ذریعہ مدینہ کے داخلی انتشار کا انسداد

اوس وخزرج مدینہ کے اہم قبائل تھے۔ یہ لوگ پرانی رنجش کی بنا پر باہم دست و گریباں رہتے تھے۔ اس سے کبھی کبھی مدینہ کی فضا مسموم ہوجاتی تھی۔ ادھر یہودیوں کے تین معروف قبائل: بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریظہ بھی یہیں بسے ہوئے تھے۔ اہل کتاب ہونے کی بنا پر وہ مدینہ میں اپنی برتری کا اظہار کرتے اور بسا اوقات یہاں کے اصل قبائل سے لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو اس مناقشت اور جنگ جوئی سے روکنے کے لیے نہایت حکمت عملی سے ایک میثاق تیار کیا۔ جو 'میثاق مدینہ' کہلاتا ہے۔ یہ ۵۲/ دفعات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے پچیس (۲۵) دفعات تو مسلمانوں سے متعلق ہیں، ستائیس (۲۷) کا تعلق دوسرے مذاہب کے ماننے والوں سے ہے۔ اس میں تمام باشندگانِ مدینہ کے حقوق کی رعایت کی گئی اور زور دیا گیا کہ تمام قبائل اور مذاہب کے لوگ آپس میں اتحاد واتفاق سے رہیں گے، ہر ایک کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی حاصل رہے گی اور اگر کوئی بیرونی قبیلہ مدینہ پر حملہ آور ہوتا ہے

یا اس کے کسی فرد کو اذیت پہنچاتا ہے تو اس کے تدارک کے لیے سب لوگ تیار رہیں گے اور ہر طرح سے اس کی مدد کریں گے۔[۳] اس میثاق کی رو سے بہ ظاہر مدینہ ہر طرح کے داخلی و خارجی خطرات اور اندیشوں سے محفوظ ہوگیا، مگر اندرونی طور پر دشمنان دین اپنی تخریب کاری سے باز نہ آئے۔

قریش کی دھمکی

ادھر کفار مکہ کو مسلمانوں کی مضبوط پوزیشن کا علم ہوا تو ان کی دشمنی میں مزید اضافہ ہوگیا۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ مسلمان آگے چل کر خود اہل مکہ کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے فوری کوئی بڑی کاروائی کرنے سے پہلے مدینہ کے رئیس عبداللہ بن ابی بن سلول کو ایک دھمکی بھرا خط لکھا اور زور دیا کہ تم محمد [ﷺ] کو ان کے صحابہ سمیت مدینہ سے نکال باہر کرو، یا ان سب کا قتل کر دو، ورنہ ہم اپنی پوری جمعیت کے ساتھ تم پر دھاوا بول دیں گے اور سب کو فنا کر دیں گے اور تمہاری عورتوں کی عزت پامال کر دیں گے۔[۴] آئے دن مسلمانوں کو نئی نئی خبریں مل رہی تھیں کہ مشرکین مکہ مدنیہ پر کبھی بھی حملہ کر سکتے ہیں۔ اس خطرہ کی وجہ سے حضورؐ رات رات بھر جاگ کر گزارتے۔ ایک رات کی بے چینی کو دیکھ کر حضرت سعد بن وقاصؓ نے پہرہ دیا۔[۵] خلاصہ یہ کہ مکہ سے نکل جانے کے بعد بھی قریش نے مسلمانوں کو سکون سے رہنے نہ دیا۔ جب تک انہوں نے کوئی بڑی فوجی کاروائی نہ کی، وہ مسلمانوں کو اپنے تفوق کی بنا پر ڈراتے دھمکاتے اور افواہوں کے زور پر ہراساں کیے رہے۔

اردگرد کے قبائل میں قریش مکہ کی پوزیشن مستحکم تھی

قریش مکہ کو خانۂ کعبہ کی تولیت کی وجہ سے سارے عرب میں تفوق حاصل تھا اور وہ لوگ ان کا احترام کرتے تھے۔ اگر وہ کسی وقت مسلمانوں پر حملہ کرتے تو اردگرد کے قبائل ان کا ساتھ دیتے۔ نیز قریش مکہ کے تجارتی سفر میں جو قبائل راستے میں پڑتے تھے ان سے ان کے تعلقات مستحکم تھے۔ وہ ان کی آواز پر ان کا ساتھ دیتے، جب کہ مسلمانوں کا کوئی معاون اور مددگار نہ تھا، سوائے اوس و خزرج کے، مگر ان کی تعداد بہت کم تھی اور وہ اپنے اندرونی اختلافات

میں الجھے ہوئے تھے۔ان کے تعلقات بھی قرب وجوار کے قبائل سے بہت کم تھے۔ان حالات میں اللہ کے رسول ﷺ نے اردگرد کے قبائل میں اپنے آدمیوں کو بھیجنا شروع کیا، تاکہ ایک طرف قریش مکہ کی فوجی کارروائیوں کی خبر قبل از وقت ملتی رہے، دوسرے ان قبائل سے قربت بڑھے اور انہیں بھی معاہدے میں شامل کیا جاسکے۔

زیارتِ خانۂ کعبہ کے لیے مسلمانوں پر پابندی

ہجرت کے کچھ ماہ بعد حضرت سعد بن معاذؓ عمرہ کی نیت سے مکہ گئے اور اپنے دوست وحلیف امیہ بن خلف کے یہاں ٹھہرے۔ایک دن اس کے ساتھ طواف کعبہ کے لیے نکلے۔راستے میں ابوجہل سے ملاقات ہوگئی۔ابوجہل نے امیہ سے پوچھا: یہ کون ہے؟ اس نے کہا: یہ سعدؓ ہیں۔اس پر ابوجہل نے سخت لہجے میں کہا کہ تم نے 'بددین' کو اپنے یہاں پناہ دے رکھی ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں کہ مسلمان خانۂ کعبہ کا طواف کرنے آئیں۔ پھر حضرت سعدؓ سے مخاطب کرکے کہا: بہ خدا اگر تم امیہ کے ساتھ نہ ہوتے تو یہاں سے بچ کر نہیں جاسکتے تھے۔اس پر حضرت سعدؓ نے کہا: اگر تم نے ہمیں زیارتِ خانۂ کعبہ سے روکا تو ہم تمہارا راستہ روک دیں گے۔مطلب یہ تھا کہ شام کے تجارتی سفر کے لیے تمہیں ہمارے علاقے سے ہی گزرنا ہوگا۔ہم تمہارا وہ راستہ روک دیں گے۔اس واقعہ سے مسلمانوں پر واضح ہوگیا کہ اب ان کے لیے خانۂ کعبہ کے دروازے بند ہوگئے اور وہ آئندہ حج کی سعادت سے مرحوم رہیں گے۔

مسلمانوں کے لیے مدافعانہ جنگ لڑنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا

اہل مکہ آپ کے دشمن تھے ہی، ان کی شہ پر قرب وجوار کے لوگ بھی آپ کے دشمن ہوگئے۔عبداللہ بن ابی کے منصوبہ کی تکمیل نہ ہونے کی بنا پر وہ بھی آپ کا دشمن بن گیا تھا۔ پھر جب قریش مکہ کی شہ ملی تو اس کی عداوت اور زیادہ بڑھ گئی۔ یہودیوں نے بلاوجہ آپ کو اپنا دشمن سمجھ لیا۔اب وہ وقت آگیا تھا کہ مسلمانوں کے ہاتھ کھول دیئے جائیں اور انہیں حکم دیا جائے کہ جو لوگ انھیں ختم کرنے پر تلے ہوئے ہیں اور ان کے وجود کو فنا کرنے پر کمربستہ ہیں، ان کا

مقابلہ کریں۔ وہ مظلوم ہیں اللہ ان کی مدد کرے گا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَى نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ. الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ. (الحج:۳۹-۴۰)

اجازت دی گئی ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے: ''ہمارا رب اللہ ہے''۔

اس آیت میں صاف کہا گیا کہ ان لوگوں کو یوں ہی جنگ کی اجازت نہیں دی جارہی ہے اور بلاوجہ نبیؐ لوگوں سے جنگ نہیں لڑ رہے ہیں، بلکہ یہ مظلوم ہیں، انہیں ستایا گیا، گھروں سے نکالا گیا اور سکون سے رہنے نہیں دیا گیا، اس لیے اپنے دفاع میں یہ اقدام کررہے ہیں۔

اس کے باوجود نبی ﷺ اس بات کے خواہاں تھے کہ دونوں فریقوں کے درمیان جنگ کی نوبت نہ آئے۔ چنانچہ اسی غرض کے لیے قرب وجوار کے علاقوں میں وفود روانہ کیے، تاکہ قریش مکہ اپنی تجارت کا خطرہ محسوس کرکے مسلمانوں سے صلح کا ہاتھ بڑھائیں۔ ان وفود کا مقصد لوٹ مار اور ڈاکہ زنی نہیں تھا۔ علامہ سید سلیمان ندویؒ لکھتے ہیں:

> ''غرض ان حالات کی بنا پر غزوۂ بدر سے پہلے سوسو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں۔ ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپؐ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی۔ اس ابواء کی مہم سے پہلے، جو صفر ۲ھ میں واقع ہوئی اور جس میں آپ نے خود شرکت فرمائی تھی، ارباب سیر نے تین مہموں کا ذکر کیا ہے، جن کو ان کی زبان میں 'سریۂ' کہتے ہیں۔ سریۂ حمزہ، سریۂ عبیدہ بن حارث، سریۂ سعد بن ابی وقاص۔ لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا۔ یا تو بیچ بچاؤ ہوگیا یا بچ کر نکل گئے۔ ارباب سیر نے ان سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے، یعنی حضرت سعد کی تہدید کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارت گری کی تعلیم دی جاتی تھی۔

لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت ترگناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہوسکتا تھا؟''[۱۱]

کون نہیں جانتا کہ عرب کی سرزمین برسہابرس سے غیرمامون تھی اوران کے درمیان قتل وخوں ریزی کا لامتناہی سلسلہ جاری تھا۔لیکن حضورؐ کی بعثت کے صرف بیس (۲۰) سال بعد فتح مکہ کے ساتھ ہی پورے عرب میں امن وامان کی فضا طاری ہوگئی۔اسی کے حصول کے لیے تو نبیؐ نے اتنی مصیبتیں اور مشقتیں برداشت کی تھیں۔ یہ مقصد آپ کو اقدامی جنگ کے ذریعہ نہیں، بلکہ دفاعی جنگ کے ذریعہ حاصل ہوا۔ جنگ بدرتاجنگ احزاب ساری جنگیں مدافعانہ تھیں ۔ یہ جنگیں یا تو مدینے کے قریب لڑی گئیں یا مکہ ومدینہ کے درمیانی مقام پر۔مقام جنگ اس بات کے ثبوت ہیں کہ حملہ آور مشرکین تھے، جو اسلام کو مٹانے کے ارادے سے آئے تھے۔ مدافعت کا حق دنیا کا ہر قانون تسلیم کرتا ہے ۔خود عیسائی کتب مقدسہ اس حق سے انکار نہیں کرتیں۔عہدنامۂ قدیم کی رؤ سے فیصلہ کیا جائے تو پورا مشرک عرب گردن زدنی قرار پائے گا اور مسلمانوں کو مدافعت کا پورا پورا استحقاق میسر تھا۔[۱۲]

قریش مکہ کی جانب سے حملہ کی پہل

غزوۂ بدر سے پہلے رسول اللہ ﷺ نے جو سرایا روانہ کیے، ان میں سے کسی بھی سریہ کی قریش مکہ سے مڈبھیڑ نہیں ہوئی۔ البتہ ان کا ایک مفید نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ آپؐ کے ذریعے مختلف قبائل کے درمیان عہد وپیمان ہوئے کہ یا تو وہ آپ کا ساتھ دیں گے، یا پھر غیر جانب دار رہیں گے۔ اس سے قریش مکہ اپنے لیے خطرہ محسوس کرنے لگے۔ اسی بوکھلاہٹ میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کردیا اور مدینہ والوں کے مویشیوں کو بھگالے گیا۔ اس نازیبا حرکت کے ذریعہ قریش مکہ مسلمانوں کو یہ باور کرانا چاہتے تھے کہ ہم تین

سومیل دور رہنے کے باوجود تمہارے گھروں سے مویشی بھگالے جاسکتے ہیں، تو پھر تم پر کسی وقت حملہ کرنے کی طاقت بھی رکھتے ہیں۔ مسلمانوں نے ان قریشی لٹیروں کا دور تک تعاقب کیا، مگر وہ بچ کر نکل گئے۔ ۸

قریش کی جنگی کارروائیوں کا پتہ لگانا

حضور اکرم ﷺ حالات کے پیش نظر چند افراد پر مشتمل قافلہ کو ادھر اُدھر بھیجا کرتے تھے، تاکہ قریش مکہ کی کارروائی کی خبر قبل از وقت ملتی رہے۔ اسی غرض کے لیے آپؐ نے ایک مختصر دستہ حضرت عبداللہ بن جحش کی قیادت میں ہجرت کے سترہ (۱۷) ماہ بعد ماہ رجب میں روانہ کیا۔ یہ دستہ مکہ کے بالکل قریب پہنچ گیا، جہاں سے قریش مکہ کی کارروائیوں سے آگاہی حاصل کی جاسکتی تھی۔ اسی مقام پر قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے مسلمانوں کا آمنا سامنا ہوگیا۔ اب ان کے لیے مقابلہ کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ یہ رجب کی آخری تاریخ تھی جو اشہرِ حرم میں شامل ہے اور اس میں جنگ ممنوع ہے۔ آپسی ردوقدح کے بعد یہ بات طے پائی کہ ان پر حملہ کیا جائے۔ اس جھڑپ میں قریش کا ایک آدمی مارا گیا۔ کچھ بھاگ نکلے۔ دو کو مسلمانوں نے گرفتار کرلیا اور ان کے سامان پر قبضہ کرکے کامیاب و کامران مدینہ لوٹے۔ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مسلمانوں کی طرف سے کرز بن جابر فہری کے حملے کا جواب تھا۔ جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اور قیدیوں اور مال غنیمت کو رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا تو آپؐ نے سخت ناراضی کا اظہار کیا اور کہا کہ ہم نے تمہیں حملہ کرنے کی اجازت تو نہیں دی تھی؟ ۹ اس حملے پر مشرکین نے بھی واویلا مچایا اور ہر طرف سے سوال ہونے لگے کہ مسلمانوں نے حرام مہینے کی حرمت پامال کی ہے۔ اس پر سورۂ بقرہ کی آیت ۲۱۷ نازل ہوئی، جس میں فرمایا گیا کہ قریش کی زیادتیوں کے سامنے یہ واقعہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔

غزوۂ بدر کے اسباب

غزوۂ بدر سے ایک مہینہ قبل خود رسول اکرم ﷺ ڈیڑھ دو سو صحابہ کو ساتھ لے کر مقامِ

ذی عشیرہ' تک گئے تھے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کے سراغ رساں دستہ نے آپ کو اطلاع دی کہ قریش کی ایک جماعت ان کا مال تجارت لے کر شام کے لیے مکہ سے روانہ ہوچکی ہے۔ مگر جب حضورؐ مقام مذکور پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ قافلہ وہاں سے گزر چکا ہے۔ یہیں سے اسلامی تاریخ میں غزوات کا ایک نیا باب شروع ہوتا ہے۔ بیش تر مورخین اور اصحاب سیر لکھتے ہیں کہ جب مذکورہ قافلہ واپس آرہا تھا، جو اپنے ساتھ کثیر منافع اور مال ودولت رکھتا تھا تو اس کے تعاقب کے لیے رسول ﷺ دوبارہ نکلے، جس کے نتیجے میں جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا اور ان کے ساتھ قریش کے دیگر بڑے سردار بھی تھے۔ غور طلب بات ہے کہ کیا قریش مکہ نخلہ کے حملہ سے بے خبر تھے؟ کیا انہیں اندازہ نہیں تھا کہ مال ودولت سے بھرے اس قافلہ کو نبیؐ اور آپ کے اصحاب روکنے کی کوشش کریں گے؟ انہوں نے مسلمانوں کے ارادے کا پوری طرح اندازہ کر لینے کے بعد ہی یہ سفر اختیار کیا ہوگا، قریش کا یہ قافلہ جاتے ہوئے مسلمان کی گرفت سے بچ نکلا، مگر واپسی کے وقت اسے یقین تھا کہ اب کی بار ضرور مسلمانوں سے سامنا ہوگا۔ اس لیے ابوسفیان نے پہلے ہی مکہ خبر بھجوادی کہ ہمارا قافلہ خطروں میں گھر چکا ہے، ہماری مدد کے لیے پوری تیاری کے ساتھ پہنچو۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی تیاری قریش مکہ نے پہلے سے ہی شروع کردی تھی۔ فوجی قوت کی فراہمی اور نقل وحرکت کے انتظامات کے لیے درکار وقت کو بھی اس میں شامل کرلیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ منصوبہ ایسے وقت تیار کیا گیا جب ابوسفیان کا قافلہ ابھی شام سے روانہ بھی نہ ہوا تھا۔[۱۰] تاہم نبیؐ نے اپنی اس کارروائی کو اپنے صحابہ کے لیے بہت زیادہ ضروری نہیں سمجھا کہ اس میں شرکت سب کے لیے لازمی ہو۔ جیسا کہ امام بخاری نے صراحت کی ہے۔[۱۱] اس کی تائید ابن ہشام کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی ہوتی ہے:

> ''لوگوں نے آپ کی ترغیب کا اثر قبول کیا اور بعض تو فوراً اٹھ کھڑے ہوئے، البتہ بعض نے سستی کی۔ اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے خیال کیا کہ رسولؐ نے یہ نہیں فرمایا کہ جنگ درپیش ہے۔''[۱۲]

چنانچہ اللہ کے رسول ﷺ نے چند سواریوں اور معمولی جنگی اسلحہ کو جمع کیا اور تین سو

تیرہ (۳۱۳) صحابہ کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام بدر پر پہنچ کر مکی فوج اور قافلہ کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر ابوسفیان کی طرف سے خبر ملتے ہی سارا مکہ اس کی مدد کو نکل پڑا۔ یہ دستہ ایک ہزار نفوس پر مشتمل اور پوری طرح آلات حرب سے لیس تھا۔ اچانک تیاری میں اتنا ساز و سامان اور اتنی تنظیم نہیں ہوسکتی۔ اس لیے لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ وہ پہلے سے ہی اس کی تیاری کر رہے تھے، البتہ بعد میں اس کارروائی کو قافلہ کی حفاظت کا نام دیا گیا۔

جب رسول اکرم ﷺ بدر کے مقام پر پہنچے تو ابوسفیان کا قافلہ راستہ بدل کر وہاں سے نکل چکا تھا۔ اس قافلہ کے بچ نکلنے کی خبر قریش کی فوج کو ہوگئی تھی، جو اس کی مدد کے لیے آرہی تھی۔ اب مسلمانوں سے لڑنے کی کوئی وجہ نہیں تھی، چنانچہ بعض لوگوں نے سپہ سالار ابوجہل سے کہا کہ چوں کہ ہمارے آدمی اور اموال محفوظ ہیں، ابوسفیان بچ کر مکہ کی طرف روانہ ہو چکا ہے، اس لیے اب جنگ کی کوئی ضرورت نہیں، مگر ابوجہل نے ان لوگوں کی بات نہ مانی اور آمادۂ جنگ رہا، دوسری طرف مسلمان کسی بڑی جنگ کی نیت سے نہیں آئے تھے، اس لیے حضورؐ نے اس نازک وقت میں صحابۂ کرام سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ مہاجرین اور انصار سب نے بیک زبان کہا کہ ان کا مقابلہ کیا جائے، ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ اس پر اللہ کے رسولؐ نے فرمایا:

> ''چلو اور خوش ہو جاؤ کہ اللہ نے مجھ سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ فرمایا ہے۔ واللہ اس وقت گویا میں بے شبہ ان لوگوں کے پچھڑنے کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔''[۱۳]

تین سو تیرہ (۳۱۳) اور ایک ہزار (۱۰۰۰) ہزار کا کیا مقابلہ، وہ بھی اس حال میں کہ مسلمانوں کے پاس جنگی اسلحہ بھی فریق مخالف کے مقابلہ میں بہت کم تھا۔ لیکن چونکہ یہ حق و باطل کا پہلا معرکہ تھا، اس لیے ان کے حوصلے بلند تھے۔ انھوں نے یہ جنگ اپنے ذاتی مفاد اور مال و دولت کے لالچ میں نہیں کی تھی، بلکہ اللہ کی رضا اور اس کے دین کو دنیا میں غالب و نافذ کرنے کے لیے کی تھی۔ چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نصرت و مدد فرمائی، قریش مکہ شکست سے دوچار ہوئے اور مسلمانوں کو کامیابی اور سرخروئی حاصل ہوئی۔

ابوسفیان کے ذریعے مسلمانوں پر دوبارہ حملہ

قریش مکہ اب بھی سکون سے نہ بیٹھے اور انھوں نے بدر کی شکست کا بدلہ لینے کی ٹھان لی، یہاں تک کہ ابوسفیان نے قسم کھائی کہ جب تک محمد [ﷺ] سے فیصلہ کن جنگ نہ کرلوں گا اس وقت تک جنابت غسل کے لیے پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔ اپنی قسم کو پوری کرنے کے لیے اس نے دوسوسواروں کو ساتھ لیا اور مدینہ کے قریب ایک پہاڑی کے دامن میں اترا۔ اپنے لشکر کو اس نے وہیں ٹھہرایا اور خود رات کی تاریکی میں مدینہ کے یہودی سلام بن مشکم کے پاس گیا۔ اس نے اسے مہمان بنایا اور مسلمانوں کے رازوں کی خبر دی۔ پھر وہ رات کے آخری حصے میں وہاں سے نکل گیا۔ جاتے جاتے مدینہ کے ایک کنارے 'عریض' کے مقام پر واقع ایک نخلستان میں آگ لگادی اور ایک انصاری سعد بن عمرؓ اور ان کے حلیف کو کھیت میں تنہا پا کر قتل کردیا۔ حضور ﷺ کو اس حملہ کی خبر ہوئی تو چند صحابہ کو اس کے پیچھے دوڑایا، مگر وہ اس کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہوسکے۔[۱۴] اس حملہ کے ذریعہ ابوسفیان نے اپنی قسم تو پوری کرلی، مگر خواہ مخواہ مسلمانوں کو مجبور کردیا کہ تم بھی قریش پر حملہ کرو۔

بنوقینقاع کی معاہدہ شکنی اور اس کا انجام

مدینہ میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ بنوقینقاع تھا۔ مسلمانوں کو غزوۂ بدر میں شان دار کامیابی ملی تو ان کے سینوں پر سانپ لوٹنے لگے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی عہد شکنی کی اِس پر اللہ کے رسول نے انہیں سمجھایا، مگر انھوں نے پلٹ کر جواب دیا:

> ''اس دھوکے میں نہ رہنا کہ ہم بھی تمہاری قوم کی طرح ہیں۔ ان لوگوں کو جنگ کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا، اس لیے تم نے ان پر قابو پالیا۔ ہم سے جنگ کرو گے تو تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ ہم خاص قسم کے لوگ ہیں۔''[۱۵]

ایک دن اپنی بدباطنی کی وجہ سے انھوں نے اس کا موقع بھی فراہم کردیا کہ ان پر سختی کی جائے اور انہیں کیفر کردار تک پہنچایا جائے۔ ہوا یہ کہ ایک مسلمان عورت کچھ سامان خریدنے کی غرض سے ان کے ایک دکان دار کے یہاں گئی۔ دکان دار نے اس کے ساتھ شرارت کی۔

خاتون نے اپنی مدد کے لیے آواز لگائی، اس پر ایک مسلمان نے دکان دار کو قتل کر دیا۔ یہودیوں نے اس مسلمان کو شہید کر دیا۔ اس پر فضا کشیدہ ہوگئی۔ مقتول مسلمان کے اقربا اور ان کے حلیف بگڑے تو پوری آبادی مسلم آبادی پر ٹوٹ پڑی۔ اس فساد کو ختم کرنے کے لیے بنو قینقاع کے خلاف تادیبی کارروائی کی گئی۔ ان کا محاصرہ کیا گیا۔ باہر سے کوئی ان کی مدد کو نہ پہنچا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس وقت منافق عبداللہ بن ابی درمیان میں آ گیا اور نبی ﷺ سے درخواست کی کہ میرے حلیفوں کے ساتھ رحم کا معاملہ کیجئے۔ آپؐ نے ان کی جان بخشی تو کر دی، مگر حکم دیا کہ وہ مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں۔ ۱۶

غزوۂ احد

ابوسفیان غزوۂ بدر کا بدلہ لینے کی مسلسل تیاری کرتا رہا۔ اس کے ساتھ بعض دوسرے سردار بھی قریش کے اعیان واشراف کے پاس پہنچتے اور انہیں آمادہ کرتے کہ مسلمانوں سے ایک بڑی جنگ لڑنے میں ہماری ہر طرح سے مدد کریں، یہاں تک کہ پورا مکہ ایک فیصلہ کن جنگ کے لیے تیار ہوگیا۔ قریش کے بڑے بڑے سرداروں کی خواتین نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا۔ جب تین ہزار کا لشکر جرار تمام ساز وسامان کے ساتھ تیار ہوگیا تو منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا آگے بڑھا اور 'جبل احد' کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔

حضور ﷺ کو اتنی بڑی فوج کے ساتھ قریش مکہ کے حملے کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ ان کی اکثریت اس رائے پر متفق ہوئی کہ مدینہ سے نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے۔ ایک ہزار کا اسلامی لشکر تیار ہو کر نبیؐ کے گرد جمع ہوگیا۔ جب یہ لشکر مدینہ سے نکل کر تھوڑی دور پہنچا تو عبداللہ بن ابی اپنے تین سو ہم خیال لوگوں کو لے کر مسلمانوں سے الگ ہوگیا اور جنگ میں شرکت سے منع کر دیا۔ نبی ﷺ سات سو صحابہ کو لے کر احد کی گھاٹی میں پہنچے اور وہیں ٹھہر گئے۔ آپ نے مدینہ کو سامنے اور احد کو پشت پر رکھ کر صفوں کو مرتب کیا۔ اسلامی لشکر کو حملہ کرنے سے قبل یہ تاکید بھی کر دی کہ تمہیں جن مقامات پر متعین کیا گیا ہے ان پر جمے رہنا اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرنا۔ اگر ہمیں قتل ہوتا ہوا بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لیے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو بھی اس میں شریک نہ ہونا۔ ۱۷

جنگ کا آغاز ہوا تو پہلے ہی وہلہ میں دشمن کی فوج پر افسردگی چھانے لگی اور اس کے بڑے بڑے سورما یکے بعد دیگرے مارے جانے لگے۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کو اس جنگ میں کامیابی مل جاتی، مگر بعض مسلمانوں کی غلط فہمی اور جلد بازی سے جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ انھوں نے اس درّہ کو چھوڑ دیا جس پر جمے رہنے کی حضورﷺ نے تاکید کی تھی۔ دشمن نے پلٹ کر حملہ کر دیا، جس کی بنا پر اس جنگ میں ستر (۷۰) صحابہ شہید ہوئے اور تقریباً پچیس (۲۵) آدمی کافروں کے مارے گئے۔

مدینہ سے بنونضیر کا اخراج

یہود کا دوسرا بڑا قبیلہ بنونضیر تھا۔ یہ بھی مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے۔ ایک موقع پر آپؐ ان کے پاس گئے، انہوں نے آپ کو عزت واحترام سے بٹھایا، لیکن خفیہ طریقے سے اپنے آدمیوں کو چھت پر بھیج دیا، تاکہ اوپر سے آپؐ پر بھاری پتھر گرادیں اور نعوذ باللہ آپؐ کا کام تمام ہوجائے۔ حضور کو بروقت ان کی سازش کا علم ہوگیا اور آپ بغیر کسی کو بتائے وہاں سے چلے آئے۔ اس جرم کے نتیجہ میں حضورؐ نے بنونضیر کو حکم دیا کہ دس دن کے اندر مدینہ چھوڑ کر چلے جائیں۔ بنونضیر نے مدینہ چھوڑنے کی تیاری شروع کردی، لیکن عبداللہ بن ابی اور اس کے ہم خیال ساتھیوں نے ان کی ڈھارس بندھائی کہ تم کو یہاں سے جانے کی ضرورت نہیں، تم ڈٹے رہو، ہم تمہاری مدد کے لیے ہر طرح سے تیار ہیں۔ اس پر بنونضیر کے سردار حیی بن اخطب نے حضور کے پاس جوابی خبر بھجوائی کہ ہم یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے، آپ کو جو کرنا ہے کرلیں۔ حضورﷺ نے محاصرہ کرلیا۔ جب یہودیوں پر معاملہ کی سنگینی ظاہر ہوئی کہ ہم بے موت مارے جائیں گے، عبداللہ بن ابی مدد کو نہیں پہنچ رہا ہے اور بنوقریظہ کے لوگ بھی، جو ہمارے ہم مذہب ہیں، مدد کو نہیں آرہے ہیں، تو وہ سرنگوں ہوگئے اور ہتھیار ڈال دیئے۔ رسولﷺ نے اب بھی وہی بات کہی کہ تم مدینہ چھوڑ کر چلے جاؤ، جاتے ہوئے سوائے ہتھیاروں کے جتنا سامان لے جاسکتے ہو، لے جاؤ۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ یہ لوگ یہاں سے نکلے تو کچھ لوگوں نے خیبر اور کچھ لوگوں نے شام کا راستہ اختیار کیا۔ ۱۸؎

غزوۂ خندق میں قریش اور ان کے اتحادیوں کی شکست

بنونضیر جلاوطن ہوکر خیبر میں آباد ہوگئے تھے۔ وہ مسلمانوں سے بدلہ لینے کے لیے منصوبہ بند کوشش کرنے لگے۔ انھوں نے قریش مکہ کو ہر طرح کا تعاون دینے کا یقین دلایا، یہاں تک کہ ایک فیصلہ کن جنگ کرنے پر انہیں آمادہ کرلیا۔ یہودیوں نے غطفان اور دیگر اسلام دشمن قبائل کی شرکت کو اس جنگ میں یقینی بنانے کے لیے معاہدے کیے۔[۱۹]

رسول اللہ ﷺ کو متحدہ محاذ کی خبر ملی تو آپ نے اس کا مقابلہ کرنے کے لیے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا۔ اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ اسلام دشمن طاقت کا مقابلہ کھلے میدان میں کرنے کے بجائے خندق کھود کر کیا جائے۔ اس نئے عجمی طریقۂ جنگ کو سب لوگوں نے پسند کیا اور ایک لمبی خندق کھود لی گئی۔ خندق کھودنے میں آپؐ بھی بہ نفس نفیس شریک رہے۔ یہ خندق دشمنوں کی اس بڑی تعداد کے سامنے مدینہ کی حفاظت کے لیے اگرچہ ناکافی تھی، لیکن مسلمانوں کے لیے اس نے ڈھال کا کام دیا۔ جب دشمن کی فوج قریب آگئی تو آپ نے عورتوں کو محفوظ مقام پر بھیج دیا اور ان کی نگرانی کے لیے دوسو صحابہ کو مامور کردیا کہ اندرونی فتنے سے یہ لوگ محفوظ رہیں پھر تین ہزار (۳۰۰۰) افراد پر مشتمل فوج کو لے کر آگے بڑھے اور 'سلع' کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرا ہوگئے۔ کئی دنوں تک فوج آمنے سامنے رہی، مگر مقابلہ آرائی کی نوبت نہ آئی۔ چھوٹی موٹی جھڑپیں ہوتی رہیں، وہ بھی شام ہوتے رک جاتیں۔ اس دوران میں خاص طور سے مسلمانوں کو خورد ونوش کی کمی لاحق ہونے لگی، ٹھنڈک کی وجہ سے وہ بے حال ہورہے تھے، بڑی بے چینی کا عالم تھا۔ مسلمانوں کے اس کرب کا ذکر سورۂ احزاب میں موجود ہے۔

ادھر بنی قریظہ نے مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا اور قریش کے ساتھ ہوگئے۔ اب گویا ایک طرح سے دشمنوں نے مدینہ کو گھیر لیا تھا۔ چنانچہ آپ نے اعلیٰ جنگی حکمت عملی اختیار کرتے ہوئے حضرت نعیم بن مسعودؓ کو، جن کا ایمان ابھی لوگوں پر ظاہر نہ ہوا تھا، قریش اور یہودیوں کے علاوہ قبیلۂ غطفان کے درمیان بھیجا تاکہ وہ اپنی گفتگو سے ان کو ایک دوسرے کا

مخالف بنادیں۔ حضور کی یہ ترکیب کارگر ہوئی اور حملہ آور گروہ کے اندر انتشار پیدا ہوگیا اور ان کے حوصلے پست ہونے لگے۔[۱۹] اسی دوران میں ایک رات اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسی خوف ناک آندھی بھیجی کہ دشمن کے خیمے اڑ گئے اور ان کا سامان تتر بتر ہوگیا۔ اب ان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ یہاں سے راہ فرار اختیار کریں۔ اس طرح مسلمانوں کو اس اعصابی جنگ میں کامیابی ملی۔ اسی کے ساتھ ان گروپوں کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا جو اب تک خفیہ طور سے مسلمانوں کے دشمن بنے ہوئے تھے۔

بنی قریظہ کی غداری کا انجام

بنی قریظہ غزوۂ خندق تک مسلمانوں کے معاہد اور حلیف تھے، لیکن عین لڑائی کے وقت انھوں نے غداری کی اور قریش کا ساتھ دیا۔ محاصرہ کی طوالت اور سختی کی بنا پر وہ مجبور ہوئے کہ ہتھیار ڈال دیں۔ اس موقع پر انہوں نے ہی یہ تجویز رکھی کہ سعد بن معاذؓ ان کے حق میں جو فیصلہ کریں گے، وہ انھیں منظور ہوگا۔ حضرت سعدؓ نے بنی قریظہ کے جرم کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے اور توریت کی تعلیمات کے مطابق فیصلہ سنایا کہ قابل جنگ مردوں کو قتل کر دیا جائے، ان کے اموال بانٹ دیے جائیں اور بچوں کو قید کر لیا جائے۔[۲۰]

صلح حدیبیہ- فتح مبین

اعدائے اسلام، اپنی منظم کوشش کے باوجود غزوۂ خندق میں مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکے۔ اب قریش مکہ کے اندر آگے بڑھ کر مسلمانوں سے نبرد آزمائی کی سکت نہ رہی اور بہ ظاہر وہ کوئی بڑی جنگ برپا کرنے کی پوزیشن میں نہ رہے۔ اس طرح مسلمانوں کی پوزیشن بڑی حد تک مستحکم ہوگئی۔ انہی دنوں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول کو خواب میں اطلاع دی کہ عن قریب آپ اپنے اصحاب سمیت مکہ میں داخل ہوں گے اور مراسم حج ادا کریں گے۔ جب آپؐ نے اس اطلاع غیبی کا تذکرہ اپنے صحابہ سے کیا تو ان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ آپؐ نے مدینہ کے اردگرد کے قبائل میں جو مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے، خبر بھجوادی کہ ہم عمرہ کے ارادہ سے نکل رہے ہیں۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہے، تیار ہو جائے۔ اس اعلان کے نتیجے میں بہت سے لوگ

تیار ہوگئے۔ چنانچہ آپ عمرہ کی غرض سے چودہ سوصحابہ کو ساتھ لے کر یکم ذی قعدہ ۶ ھ کو مدینہ سے نکلے۔ آپ نے تلوار کے علاوہ کوئی جنگی سامان نہ لیا، تلوار بھی نیام میں تھی۔ یہی حکم دوسرے لوگوں کے لیے بھی تھا۔ اندیشہ تھا کہ کہیں قریش مسلمانوں کو دیکھ کر جنگ کے لیے سامنے نہ آجائیں، یا بیت اللہ میں جانے سے روک نہ دیں۔ اس لیے آپؐ نے ظاہری علامت کے طور پر قربانی کے جانوروں کو ساتھ رکھا اور احرام باندھ لیا، یہاں تک کہ آپؐ حدیبیہ پہنچ گئے۔[۲۱]

قریش کو مسلمانوں کی آمد کی خبر ملی تو انہیں بہت شاق گزرا۔ دقّت یہ تھی کہ زیارت بیت اللہ سے کسی کو روکا نہیں جا سکتا، نیز ماہ حرام میں جنگ وقتال ممنوع ہے۔ دوسری طرف اگر وہ مسلمانوں کو خانۂ کعبہ کی زیارت کر لینے دیتے، تو اس کے معنیٰ یہ لیے جاتے کہ قریش میں اب اتنی بھی طاقت نہ رہی کہ وہ اپنے دیرینہ دشمن کو زیارتِ کعبہ سے روک سکیں۔ چنانچہ قریش مکہ نے بڑے غور وفکر کے بعد آخری فیصلہ یہی کیا کہ جس طرح بھی ہوسکے آپؐ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا جائے، جب کہ حضور ﷺ چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت کسی طرح نہ آنے پائے۔ (الفتح:۲۶) اس لیے دونوں طرف سے وفود آنے جانے لگے، بالآخر دونوں فریقوں کے درمیان صلح ہوئی، اس کی اہم دفعات درج ذیل تھیں:

۱۔ فریقین دس سال تک جنگ نہ کریں گے۔ اس اثنا میں لوگ امن کی زندگی بسر کریں گے۔

۲۔ اس سال مسلمان واپس چلے جائیں، اگلے سال آئیں تو تین روز مکہ میں قیام کریں گے، تلوار نیام میں ہوگی، اس کے سوا کوئی اور ہتھیار نہیں ہوگا۔

۳۔ محمد [ﷺ] کے ساتھیوں میں جو شخص حج، عمرہ یا تجارت کے لیے مکہ آئے گا، وہ قریش کی امان میں ہوگا اور قریش کا کوئی فرد مصر یا شام بہ غرض تجارت جاتے ہوئے مدینہ سے گذرے گا تو اس کی جان ومال کو تحفظ حاصل ہوگا۔

۴۔ اگر قریش کا کوئی فرد اپنے سرپرست کی اجازت کے بغیر مدینہ چلا جائے تو محمد [ﷺ] اسے واپس کرنے کے ذمہ دار ہوں گے، لیکن ان کے ساتھیوں میں سے اگر کوئی بھاگ کر مکہ آتا ہے تو اہل مکہ اسے واپس نہیں کریں گے۔

۵۔ اہل عرب فریقین میں سے جس کے ساتھ معاہدہ کرنا چاہیں، کرسکتے ہیں۔[۲۲]

حضورؐ نے صلح کے بعد حدیبیہ میں ہی قربانی کے جانور ذبح کیے اور سر کے بال منڈوائے۔قرآن کریم نے اس صلح کو فتح مبین قرار دیا۔ (الفتح:۱۸) آپؐ خانۂ کعبہ کی زیارت کیے بغیر مدینہ واپس آ گئے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ صلح کے لیے فریقین کی جانب سے جب سفیر آنے جانے لگے تو مسلمانوں نے قریش کے کسی سفیر پر کوئی زیادتی نہیں کی، جب کہ مسلمانوں کے نمائندے قریش کے پاس جاتے تو انہیں پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا تھا۔حضرت عثمانؓ کو مختصر وقت کے لیے نظر بند کر دیا گیا اور خبر مشہور کر دی گئی کہ وہ قتل کر دیے گئے ہیں۔جب یہ خبر مسلمانوں کے پاس پہنچی تو انہوں نے بدلہ لینے کے لیے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے لیے بیعت رضوان ہوئی۔مگر بہت جلد انہیں چھوڑ دیا گیا، اس طرح جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ معاہدہ بہ ظاہر دب کر کیا تھا،اس سے بعض صحابہ بھی وقتی طور پر خوش نہ تھے،مگر جب ان پر اس معاہدہ کے دور رس اثرات کا راز منکشف ہوا تو ان کا ذہنی کرب اور اضطراب زائل ہوگیا۔

فتحِ خیبر کے بعد یہودیوں کے فتنہ سے نجات ملی

غزوۂ خندق میں خیبر کے یہودیوں نے اہم کردار ادا کیا تھا اور انہی کی شہ پر قریش نے جنگ برپا کی تھی، نیز ان لوگوں نے عین حالت جنگ میں بنی قریظہ کو عہد شکنی کی ترغیب دی تھی اور اس فیصلہ کن جنگ میں قریش کا ساتھ دینے لیے راضی کیا تھا۔طرفہ تماشا یہ کہ وہ آئے دن مدینے کے مسلمانوں کو راستے میں ستاتے اور ان پر چھاپا مارتے تھے، یہاں تک کہ انھوں نے ایک بڑی جنگ کی تیاری بھی شروع کر دی تھی۔اس لیے اللہ کے رسول ﷺ نے ان کی سرکوبی ضروری سمجھی۔آپؐ نے چودہ سو (۱۴) سو صحابہ کو لے کر ۷ھ کی ابتداء میں ان پر حملہ کیا اور اتنی عمدہ حکمت عملی اختیار کی کہ بنی غطفان اور خیبر کے یہودیوں میں دراڑ پڑ گئی اور کوئی ایک دوسرے کی مدد کو نہ پہنچ سکا۔مسلمانوں نے خیبر کا سخت محاصرہ کیا۔یکے بعد دیگرے یہودیوں

کے قلعے فتح ہوتے گئے۔ آخر میں ایک قلعہ فتح نہیں ہو پا رہا تھا تو ایک دن علم حضرت علیؓ کے ہاتھ میں دیا گیا، ان کی جواں مردی سے وہ بھی فتح ہو گیا۔ رسول ﷺ نے یہود کا پانی بند کر دیا اور وہاں پہرے بٹھا دیئے، تاکہ وہ مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لینے کی بات کریں۔ مجبور ہو کر یہود کے سردار نے صلح کا پیغام بھجوایا، جسے حضورؐ نے منظور کیا۔ آپؐ نے ان کے بارے میں وہی فیصلہ کیا جو بنی نضیر کے متعلق کیا تھا۔ مگر ان لوگوں نے حضور سے یہ درخواست کی کہ ہمیں یہاں سے نہ نکالا جائے، ہم اپنی کاشت کا نصف حصہ آپ کو دیتے رہیں گے۔ نبی ﷺ نے بہ تقاضائے مصلحت اسے منظور کر لیا، البتہ صلح میں یہ بات بھی شامل کر دی کہ یہ صلح ہمیشہ کے لیے نہیں ہے، ہم جب چاہیں گے تم لوگوں کو یہاں سے نکال دیں گے۔ خیبر میں تقریباً اٹھارہ (۱۸) یا اس سے کچھ زیادہ مسلمان شہید ہوئے اور یہود کے ترانوے (۹۳) جواں مرد موت کی آغوش میں پہنچے۔ باوجود صلح کے یہود اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور بڑی چالاکی سے حضورؐ کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ سلّام بن مشکم کی بیوی نے آپ کی دعوت کی۔ گوشت میں اس نے زہر ملا دیا۔ نبی ﷺ نے اس کا کچھ حصہ منھ میں ڈالا ہی تھا کہ اندازہ ہو گیا کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے، اس لیے آپ نے اسے اگل دیا۔ اس طرح آپ کی جان تو بچ گئی، مگر آپ کے ایک صحابی نے اسے کھا لیا تھا، جس سے ان کا انتقال ہو گیا۔[۲۳] لیکن آپؐ ان کے حق میں ہدایت کی دعا کرتے ہوئے واپس آئے۔[۲۴]

غزوۂ موتہ

صلح حدیبیہ کے بعد آپؐ نے مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط ارسال کیے۔ اس پر ملا جلا ردعمل ہوا۔ انہی بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ حاکم بصریٰ (جو عیسائی تھا) کے نام ایک خط بھیجا۔ اسے حارث بن عمراز دیؓ لے کر گئے تھے۔ انہیں شام کے گورنر شرحبیل بن عمرو غسانی نے پکڑ کر قتل کر دیا۔ سفیروں کا قتل کرنا انتہائی سنگین جرم تھا۔ اس حادثہ کی خبر نبی اکرم ﷺ کو ہوئی تو آپؐ پر غیر معمولی اثر ہوا۔ اس کے تدارک کے لیے آپؐ نے تین ہزار (۳۰۰۰) صحابہ کو تیار کیا اور زید بن حارثہؓ کو اس کا سپہ سالار بنا کر غزوہ موتہ کے

لیے روانہ فرمایا۔ آپؐ کو دشمن کی طاقت کا پوری طرح اندازہ تھا۔ چنانچہ آپؐ نے فوج کو ہدایت فرمائی: اگر زیدؓ مارے جائیں تو جعفر بن ابی طالبؓ کو سالار بنالیا جائے اور اگر وہ بھی مارے جائیں تو عبداللہ بن رواحہؓ کو سالار بنایا جائے اور اگر یہ بھی مارے جائیں تو اپنی فوج میں سے جس کو چاہو اپنا سپہ سالار مقرر کرلو۔۲۵

جب اسلامی لشکر منزل بہ منزل کوچ کرتا ہوا حجاز سے متصل شامی علاقے 'معان' پہنچا تو یہیں اس کی اطلاع شرحبیل کو ہوئی۔ وہ ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ کے لیے نکلا۔ اس معرکہ میں مسلمانوں کی فوج کی تعداد صرف تین ہزار (۳۰۰۰) تھی۔ اس جم غفیر کے سامنے مسلمانوں کی ہمت پست ہونے لگی اور وہ کش مکش میں مبتلا ہوگئے کہ کیا کرنا چاہئے۔ بالآخر عبداللہ بن رواحہؓ کی اثر دار تقریر کے بعد طے پایا کہ مقابلہ کیا جائے۔ جنگ میں تینوں سپہ سالاروں کی یکے بعد دیگرے شہادت کے بعد حضرت خالد بن ولیدؓ نے علَم اپنے ہاتھ میں لیا اور فوجی حکمت عملی کے ساتھ مسلم لشکر کو بچا کر واپس لے آئے۔ اس جنگ میں بارہ (۱۲) کبار صحابہ نے شہادت پائی، جب کہ بڑی تعداد میں دشمن کے لوگ مارے گئے۔۲۶

فتح مکہ: مسلمانوں کی کامیابی کا شان دار مظاہرہ

صلح حدیبیہ کی ایک شق یہ بھی تھی کہ ''دس سال تک جنگ نہ ہوگی، جو قبائل محمد [ﷺ] کے حلیف بن جائیں اور جو قبائل قریش سے ملنا چاہیں وہ ان سے مل سکتے ہیں۔'' اس دفعہ کی بنیاد پر بنی خزاعہ مسلمانوں سے اور بنو بکر قریش سے مل گئے۔ معاہدہ میں یہ بات بھی شامل تھی کہ اگر کوئی قبیلہ دوسرے پر زیادتی یا حملہ کرتا ہے تو خود اس فریق پر حملہ اور زیادتی سمجھی جائے گی۔ ابھی معاہدہ کو دو سال بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ بنو بکر نے برسوں کی پرانی رنجش کا بدلہ لینے کے لیے بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا، جو مسلمانوں کے حلیف تھے۔ اس حملے میں قریش کے بڑے بڑے لوگوں نے بنی بکر کا ساتھ دیا اور ان کو ہتھیار فراہم کیے۔ خزاعہ کے لوگوں کو بری طرح کچلا، یہاں تک کہ یہ لوگ بھاگ کر خانۂ کعبہ میں پہنچے، مگر وہاں بھی ان کے ساتھ بے رحمی کا معاملہ کیا گیا۔ ان مظلوموں میں سے کچھ لوگ اپنی جان بچا کر مدینہ نبی ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اپنے اوپر ہونے والے ظلم و زیادتی کا ذکر کیا۔ اب قریش کو ہوش آیا کہ واقعی ہم نے

معاہدہ شکنی کرکے ایک سنگین جرم کیا ہے۔ چنانچہ تجدید معاہدہ کے لیے ابوسفیان مدینہ پہنچے، مگر انھیں کامیابی نہ ملی اور نامراد لوٹنا پڑا۔

اب حضور اکرم ﷺ کے لیے ضروری ہوگیا کہ قریش مکہ کے جرم کی بنا پر ان پر حملہ کریں اور اس ناسور کو ہمیشہ کے لیے ختم کردیں، یا اس طرح دبا دیں کہ پھر وہ آئندہ ایسی کوئی غلطی نہ کریں۔ چنانچہ آپؐ نہایت رازدارانہ طریقے سے دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ ابوسفیان راستہ میں آکر آپؐ سے ملے اور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مختلف تدابیر اور حکمت عملی سے کام لے کر حضور مکہ میں داخل ہوئے۔ آپ کی فوج کو دیکھ کر سارا مکہ مبہوت ہوگیا، کسی کو مقابلہ کی ہمت نہ رہی۔ یوں حضور اکرم ﷺ بغیر کسی جنگ و جدال کے فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ اس وقت سارا مکہ آپ کے سامنے صف بستہ کھڑا تھا اور اپنی گردن جھکائے ہوئے تھا۔ اہل مکہ انتظار میں تھے کہ دیکھیں کہ آج کے دن حضور ہمارے حق میں کون سی سزا سناتے ہیں۔ آپ نے سب پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا: ''آج تم پر کوئی سرزنش نہیں، تم سب آزاد ہو''۔ اس فتح کے ساتھ ہی پورے عرب کی سیاسی قیادت آپ کے ہاتھوں میں آگئی۔[۲۷]

معرکۂ حنین میں مسلمانوں کی کامیابی

فتح مکہ کے نتیجے میں اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، اس کا مخالفانہ ردعمل مکہ کے قرب و جوار میں رہنے والے بڑے بڑے قبائل میں ہوا۔ ان میں ہوازن اور ثقیف بھی تھے۔ کچھ دوسرے قبائل نے بھی جنگ کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ لوگ ہوازن کے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں آگے بڑھے۔ انھوں نے اس جنگ میں اپنی عورتوں، بچوں اور مال و دولت کو ساتھ لیا اور اوطاس کے مقام پر اترے۔

حضور کو اس جنگی کارروائی کی اطلاع ملی تو مکہ کے دو ہزار لوگوں کو، جن میں اکثریت نومسلموں کی تھی اور مدینہ کے دس ہزار کے لشکر جرار کو جو آپ کے ساتھ مکہ آیا تھے، لے کر مکہ سے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے نکلے اور حنین کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ مسلمان دشمن کی چال اور اس کے وجود سے بے خبر تھے کہ اچانک صبح کے اندھیرے میں دشمن نے تیروں کی بارش کردی اور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ اس طرح اچانک حملہ کی وجہ سے مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔

جب حضور نے مسلمانوں کو ادھر ادھر بھاگتے اور منتشر ہوتے ہوئے دیکھا تو انہیں آواز لگائی اور اپنی طرف بلایا۔ سو (۱۰۰) کے قریب صحابہ آپ کے پاس جمع ہوگئے تو آپ نے انہیں حکم دیا کہ اب تم ان پر ایک ساتھ ٹوٹ پڑو۔ خود حضورؐ نے زمین سے کچھ کنکر اٹھائے اور انھیں دشمن کی طرف پھینکا۔ اس کے بعد جنگ کا نقشہ بدل گیا، دشمن پیچھے ہٹنے لگے۔ گویا کہ ہاری ہوئی جنگ کو حضور نے اپنی دور اندیشی اور اللہ کی نصرت سے جیت لیا۔ شکست کھا کر جو لوگ میدان سے بھاگے، صحابہ کرام نے ان کا دور تک پیچھا کیا۔ جو ہاتھ لگے وہ قتل کیے گئے۔ اسی تعاقب میں حضرت ابو عامر اشعریؓ شہید ہوگئے اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی جام شہادت نوش فرمایا۔[۲۸]

روم کے عیسائیوں سے معرکہ آرائی

مسلمانوں کے بڑھتے ہوئے اثرات اور جنگوں میں ان کی کامیابی کو دیکھ کر سرزمین عرب سے متصل بعض علاقے جو اب تک حدود اسلامیہ میں داخل نہ ہوئے تھے، ان کو اپنے وجود کے بارے میں خطرہ لاحق ہوا۔ انہی میں ایک ملک روم بھی تھا۔ اس نے مسلمانوں سے جنگ کرنے کا فیصلہ کیا۔ حضور کو رومیوں کی تیاری کی خبر ملی تو آپ کو فکر لاحق ہوگئی۔ ابھی چند ماہ قبل مسلمان سخت محاربہ کے بعد لوٹ کر مدینہ آئے تھے، نیز شدید گرمی کا زمانہ تھا۔ ایسے وقت میں جنگ کے لیے اتنا طویل اور سخت ترین سفر دشوار تھا۔ اس کے باوجود آپؐ نے صحابہ کو حکم دیا کہ رومیوں کی فوج مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار ہے، اس لیے ان کا مقابلہ کرنے کے لیے پوری تیاری کے ساتھ نکل پڑو۔

جب تیس ہزار کا لشکر تیار ہوگیا تو نبی ﷺ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ یا سباع بن عرفطہؓ کو مدینہ کا گورنر مقرر فرمایا اور حضرت علیؓ کو اپنے اہل خانہ کی دیکھ بھال کے لیے مامور فرما کر مدینہ سے نکلے۔ اسلامی لشکر صبر واستقلال کے ساتھ اور راستے کی تمام صعوبتیں برداشت کرتا ہوا تبوک پہنچا۔ آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایسی موثر تقریر کی کہ ان کے حوصلے بلند ہوگئے اور وہ مرمٹنے کو تیار ہوگئے۔ جب رومیوں کو مسلمانوں کے جوش وجذبہ اور عزائم کا اندازہ ہوا تو وہ میدان چھوڑ کر ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ چنانچہ آپؐ نے ان علاقوں میں پھیلے ہوئے عیسائی عربوں مثلاً ایلہ، اذرغ، تیما، دومۃ الجندل والوں سے صلح کے معاہدے کیے۔

حرفِ آخر

اس تفصیل سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان جنگوں میں اقدام کس نے کیا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ اس بات کی کوشش کی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے، لیکن دشمنان اسلام کو اپنی طاقت پر غرور تھا، جب کہ مسلمانوں کے حوصلے بھی پست نہ تھے۔ جب حوصلہ اور طاقت کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو عموماً حوصلہ مند گروہ کو کامیابی ملتی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان اللہ کی مدد سے ہر جگہ کامیاب و کامران ہوئے۔ اس کے نتیجے میں بعض جنگوں میں بڑی مقدار میں مال غنیمت حاصل ہوا۔ ایسا دنیا کے ہر ملک میں ہوتا ہے کہ جب دشمن پر فتح ہوتی ہے تو اس کے نتیجے میں نہ صرف قیدی ہاتھ لگتے ہیں، بلکہ ان کا مال واسباب بھی قبضے میں آجاتا ہے۔ کیا ایسے موقع پر کوئی فاتح قوم ان اموال سے دست بردار ہوجاتی ہے۔ لیکن نبی اکرم ﷺ کی اس کامیابی کو مغرب لوٹ مار سے تعبیر کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ الزام لگانے کے بجائے اپنے فسادِ ذہنی کی اصلاح کرے، پھر ان جنگوں سے متعلق کوئی اشکال نہ رہے گا۔ مستشرقین میں سے بعض کی تحریروں کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ انھیں اس بات کا اعتراف ہے کہ عہد نبوی کی تمام جنگیں مبنی بر انصاف تھیں اور حضورؐ اور آپ کے اصحاب نے ہمیشہ صلح کو ترجیح دی۔ مگر کفار ومشرکین نے اپنی طاقت کے سامنے اسلام کی طاقت کو لائق اعتنا نہ سمجھا، اس لیے انہیں ذلت کا سامنا کرنا پڑا۔

حواشی ومراجع

۱ جرجی زیدان، تاریخ تمدن اسلام (اردو ترجمہ)، فرید بک ڈپو، دہلی، ۲۰۰۷ء، ص: ۵۴

۲ ڈاکٹر عبدالعلیم، سیرۃ النبی اور مستشرقین، مطبوعہ لکھنو، ۲۰۰۰ء، یہ کتاب 'ولہاوزن' کے ایک طویل مقالہ 'محمڈنزم' کے کچھ حصے کا ترجمہ ہے۔ یہ پورا مقالہ 'انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا' میں شامل ہے۔

۳ ابومحمد عبدالملک بن ہشام، سیرۃ النبی، مطبعۃ حجازی، قاہرہ، ۱۹۳۷ء، ج: ۲، ص: ۱۱۹-۱۲۰

۴ سنن ابی داؤد، کتاب الخراج والفی، باب خبر النضیر

۵ صحیح البخاری، کتاب الجہاد، باب الحراسۃ فی الغزو فی سبیل اللہ۔

۶ شبلی نعمانی، سیرۃ النبی، مطبع معارف، اعظم گڑھ ج:۱،ص:۲۲۰، ص:۲۲۲ (اضافہ از سید سلیمان ندوی)

۷ ڈاکٹر عبدالقادر جیلانی، اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقینِ مغرب کا انداز فکر، اریب پبلیکیشنز، نئی دہلی، ۲۰۰۷ء، ص:۳۲۴

۸ سیرۃ النبی، ابن ہشام ج:۲ ص:۲۳۸

۹ ایضا، ج:۲ ص:۲۴۱

۱۰ اسلام، پیغمبر اسلام، اور مستشرقین مغرب کا انداز فکر، ص:۳۰۱

۱۱ صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب قصۃ غزوۃ بدر

۱۲ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۲، ص:۲۴۴

۱۳ ایضا، ج:۲ ص:۲۵۴ ۱۴ ایضاً

۱۵ ایضا، ج:۲ص:۴۲۶ ۱۶ ایضا، ج:۲ص:۴۲۸

۱۷ ایضا، ج:۳، ص:۱۰ ۱۸ ایضا، ج:۳، ص:۱۸۵-۱۹۳

۱۹ ایضا، ج:۳، ص:۲۳۰ ۲۰ ایضا، ج:۳، ص:۲۵۸-۲۵۹

۲۱ ایضا، ج:۳، ص:۳۵۶ ۲۲ ایضا، ج:۳، ص:۳۵۷

۲۳ صحیح البخاری، کتاب لمغازی، باب الشاۃ التی سمّت للنبی بخیبر۔ مسند احمد، ج:۲ ص:۴۵۱۔ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۳، ص:۳۹۰

۲۴ صحیح البخاری، کتاب الجہاد والسیر، باب الدعاء للمشرکین بالہدی لیتالفّہم

۲۵ ایضا، کتاب المغازی، باب غزوۃ موتہ من ارض شام

۲۶ سیرۃ النبی، ابن ہشام، ج:۳، ص:۴۴۷

۲۷ ایضا، ج:۴ ص:۱۰-۳۲

۲۸ ایضا، ج:۴ ص:۸۷

۲۹ ایضا، ج:۴ ص:۱۷۳

☆☆☆

معاصر ہندوستان میں اسلامی قانون کی تدریس وتدوین موانع اور امکانات

——————— ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی

ہندوستان جیسے تکثیری معاشرہ میں مسلم اقلیت کے مسائل آج تک قانون کی شکل میں مدون نہیں ہوسکے ہیں۔ یہ عمل اس دور میں بھی ممکن نہیں ہوسکا جب مسلمان محکوم کے بجائے حکم راں تھے،۔ چنانچہ ان کے پاس اسلامی قانون کے نام پر فتاویٰ عالمگیری کے بعد مسلم پرسنل لا کے نام سے ایک مسودہ ہے، جو ان کی معاشرتی زندگی سے متعلق مسائل سے بحث کرتا ہے۔ ہندوستان کی سطح پر پورے اسلامی قانون کی تدریس، تدوین اور تنفیذ، مسلسل مخلصانہ جدّ وجہد کی منتظر ہے۔ اسلامی ممالک میں بھی مذکورہ تینوں چیزیں تنقیدی محاکمہ کی متقاضی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مغربی استعمار سے آزادی کے بعد مسلم ممالک میں جو قانون نافذ ہوا اس میں تہذیبی، معاشرتی، تمدنی اور ثقافتی سطحوں پر نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کی شرعی ضرورتوں کا خیال نہیں رکھا گیا، بلکہ ان کے معتقدات کو کم زور کیا گیا اور انھیں اپنے اثاثے کے سلسلہ میں تذبذب میں مبتلا کردیا گیا۔ مذکورہ تینوں مسائل میں تنفیذِ شریعت کا معاملہ ہندوستان میں دشواریوں سے گھرا ہوا ہے۔[۱]

مسلم ممالک میں اسلامی قانون کی تدوین

قبل اس کے کہ ہندوستان کی سطح پر اسلامی قانون کی تدریس وتدوین کے موانع و امکانات پر گفتگو کی جائے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مسلم ممالک میں کی جانے والی ماضی وحال کی کوششوں کا ایک سرسری جائزہ پیش کردیا جائے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی کوشش عبداللہ

بن مقفّع (۱۴۲ھ/ ۷۵۹ء) نے کی۔ اس نے عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور (م ۱۵۸ھ/ ۷۷۵ء) کے سامنے اسلامی قانون کی تدوین کی تجویز رکھی۔ اس مشورہ کا ہی اثر تھا کہ خلیفہ نے متعدد بار امام مالک بن انسؒ (م ۱۷۹ھ/ ۷۹۵ء) سے ایک جامع اسلامی قانون کی تدوین کی اپیل کی، جسے امام نے نامنظور کر دیا، لیکن انھوں نے مؤطا کی ترتیب وتدوین کا کام جاری رکھا، پھر جب وہ مکمل ہوگیا تو خلیفہ ہارون رشید (م ۱۹۳ھ/ ۸۰۹ء) کی فرمائش کے باوجود اسے عوامی منشور بنانے سے صاف انکار کر دیا۔ قانون اسلامی کی تدوین کی دوسری کوشش سترہویں صدی عیسوی میں اورنگ زیبؒ (م ۱۱۱۹ھ/ ۱۷۰۷ء) کے دور میں نظر آتی ہے، جب کہ فتاوی عالمگیری کی شکل میں ایک جامع فقہی مجموعہ کی تدوین عمل میں آئی۔ اگرچہ یہ کتاب بھی قانون کی عام اصطلاح سے ہٹ کر محض فقہی مجموعہ ہے، لیکن بہر حال اسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس سلسلے کی سب سے کامیاب کوشش دولت عثمانیہ ترکی کی سرپرستی میں تیرہویں/ انیسویں صدی میں انجام پائی۔ حکومت کی زیرنگرانی سات جید علماء کی کمیٹی نے ۱۲۹۳/ ۱۸۷۶ء میں 'مجلّہ احکام عدلیہ' کی شکل میں اسلامی قانون کا ایک مسودہ تیار کیا۔ ترکی اور اس کے زیر اقتدار ممالک میں پہلی جنگ عظیم (۱۹۱۴- ۱۹۱۸ء) تک یہ قانون نافذ العمل رہا، اس کے بعد سب سے پہلے خود ترکی میں اسے منسوخ قرار دیا گیا، پھر بتدریج اسے لبنان اور البانیہ میں ختم کیا گیا اور اس کی جگہ سوئٹزرلینڈ، جرمنی اور اٹلی کے قوانین کو جگہ دی گئی [۲] ہندوستان کے نوآبادیاتی دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے مسلم پرسنل لا کی تدوین کے سلسلے میں سید امیر علی (م ۱۹۲۸ء) جسٹس عبدالرحیم (م ۱۹۴۷ء) اور سید علی رضا (م ۱۹۴۹ء) وغیرہ کی خدمات حاصل کیں۔ ان حضرات کی کوششوں کے نتیجہ میں محمڈن لا/ اینگلو محمڈن لا کے نام سے بعض دستاویزی کتابیں تصنیف کی گئیں۔ یہ کتابیں آج بھی ہندوستان کے قانونی اداروں میں مسلم قانون کی تفہیم وتعبیر کے لیے مرجع کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔ [۳]

اسلامی قانون کی تدریس کی معاصر عالمی کوششیں

تدریس کو لاحق مسائل اور حل پر غور کرنے سے قبل ایک نظر ان کوششوں پر ڈال لینا

مناسب معلوم ہوتا ہے جو عصر جدید میں جاری ہیں، تاکہ ہندوستان میں مسئلہ زیر بحث کے سلسلہ میں رہنمائی حاصل کی جاسکے۔ بیسویں صدی میں عالمی پیمانے پر اسلامی قانون کی تدریس کا رجحان بڑھا ہے۔ ذیل کے سمیناروں کی فہرست سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مسلم و غیر مسلم تعلیمی اداروں میں اسلامی قانون کی تدریس اور اس کی تعبیر و تفہیم کے سلسلہ میں کافی غور و فکر اور پیش رفت ہوئی ہے۔

1. The Conference on Comparative Law (Hague, 1937)
2. The International Jurists Conference (Hague, 1948)
3. UNESCO Seminar on Teaching Methodology of Law, (Cambridge, 1961)
4. The Seminar of the Principals and Deans of the Faculties of Law at the Arab Universities on the Teaching of Law (Aleppo, 1971)
5. The Association of the Arab Universities on Law Studies (Beirut, 1973)
6. Islamic Law in Nigeria: Application and Teaching (Sokoto, Nigeria, 1985)
7. South East Asia Sharia Association 5th Conference on "The Education and Training of Sharia Judges and Lawyers" (Singapore, 26-28 February, 1988)
8. Harmonizing of Sharia and Civil Law (International Islamic University of Malaysia, Kaula Lampur, 19-21, October 2003 [۴]

ان سمیناروں میں یہ سوالات اٹھائے گئے کہ اسلامی قانون کی تعلیم کا منہج کیا ہو؟ اس

کی حیثیت عملی و استفادی (applied law) ہو یا وہ سول لا کا ایک جزو ہو یا اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے؟ ۵

ترکی میں تنظیمات نامی اصلاحی تحریک مغربی تہذیب اور نظریۂ تعلیم سے متاثر تھی، وہاں ایک کوشش اسلامی قانون اور ریاستی قانون کے درمیان تعامل کی ہوئی، لیکن علماء کرام نے اس کی مخالفت کی۔ بیسویں صدی کے آخری دہے تک یورپی اندازِ تحریر اسلامی قانون پر چھایا رہا۔ ملیشیا میں اسلامائزیشن آف نالج کی لہر گذشتہ صدی میں تیز تر ہوئی، جس کے نتیجہ میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی نے ایل ایل بی اور دیگر کورسز میں شریعت کی تعلیم کا حوصلہ مند آغاز کیا۔ ملک میں اگرچہ اسلامی قانون ہی نافذ ہے، لیکن انگلش کامن لا اور یورپی سول لا کی گہما گہمی بھی پائی جاتی ہے۔ ملیشیا میں ایک فاضل جج یا وکیل کے لیے لازم ہے کہ وہ وہاں کے ملکی قانون، انگلش لا اور اسلامک لا سے بخوبی واقف ہو، تاکہ عدلیہ کے امور کی انجام دہی بحسن وخوبی کر سکے۔ انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی نے سول لا اور اسلامک لا کے درمیان توافق و اتصال کی کوششیں کی ہیں اور عرب ممالک کے اساتذہ کی خدمات حاصل کرنے یا ملیشیا کے اساتذہ کی عرب ممالک کی یونیورسٹیز میں ٹریننگ کا باضابطہ نظم کیا ہے۔

مصر کے جامعہ ازہر میں انٹرنیشنل لا کو الگ مضمون کی حیثیت سے نہیں پڑھایا جاتا، چنانچہ قاہرہ میں منعقدہ بعض سمیناروں میں پرزور طریقہ سے یہ بات اٹھائی گئی کہ فقہ کو ایک جدید مضمون میں تبدیل کرنے کی جدو جہد کی جائے، کیونکہ ماضی کا متنِ فقہ از سر نو غور وفکر کا متقاضی ہے۔ ۱۹۹۶ء کے قاہرہ سمینار میں اس بات پر زور دیا گیا کہ فقہاء کرام کو کامرس، مینجمنٹ، لیگل ایڈ، ہیومن رائٹس، طبی اخلاقیات اور ماحولیاتی آلودگی کو بحث وتمحیص کا موضوع بنانا چاہیے، کیونکہ یہ مسائل عہد وسطیٰ کے فقہی متون میں زیر بحث نہیں آئے ہیں۔ سعودی عرب میں فقہ کو کسی مخصوص مسلک کے بجائے سنت سے زیادہ قریب کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ وہاں اسلامک لا ایک نجی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے۔ پاکستان کا معاملہ دیگر مسلم ممالک سے کسی حد تک مختلف ہے۔ جب یہ ہندوستان کا حصہ تھا اس وقت شریعت کو صرف پرسنل لا یا رواجی قانون تک محدود کر دیا گیا تھا اور انگلش لا کی بنیاد پر اس کو اینگلو محمڈن لا کا نام دیا گیا تھا۔

برصغیر کے نو آبادیاتی دور میں مدارس اسلامیہ کی کوششوں کے نتیجہ میں افتاء و قضا کے کورسز کے ذریعہ قانون اسلامی کی تدریس کو باقی رکھا گیا۔ پاکستان میں ۱۹۸۰ء کے بعد انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کی فیکلٹی آف شریعہ کے ماتحت اسلامی قانون کی تدریس کا عمل باضابطہ شروع کیا گیا۔ فیکلٹی آف لا میں اسلامی قانون کی تدریس ہر سطح پر جاری ہے۔ اسی طرح عدلیہ سے جڑے ہوئے ججز اور وکلاء کے لیے دعوہ اکیڈمی میں بعض ڈپلوما کورسز چلائے گئے ہیں۔[۶]

مذکورہ مسلم ممالک کے بالمقابل تمام یورپی ممالک میں تدریسِ قانون کا منظّم و مربوط نظام وہاں کی یونیورسٹیوں میں جاری ہے، البتہ دونوں کے نقطہ ہائے نظر میں فرق ہے۔ چنانچہ برطانیہ میں ormrod(1971) اور Advisory Committee on legal Education and Conduct (ACLEC, 1996) کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماہرین کی کھیپ تیار کرنے اور مہتم بالشان نیز اختلافی امور کو سمجھنے میں ان ممالک کے دانش وروں نے کس قدر جانفشانی سے کام لیا ہے۔ قانون کی تدریس کا مقصد ان ممالک میں یہ ہے کہ قانون کو سماجی اور معاشی امور سے جوڑ دیا جائے، تاکہ علاقائی و لسانی نیز مارکیٹ کے مسائل کو قانونی انداز میں حل کرنے کی تربیت حاصل کی جائے۔[۷]

اسلامی قانون کی تدریس و تدوین: امکانی صورت حال

گذشتہ بحث سے واضح ہو گیا کہ عصری و دینی جامعات میں فقہ کی تدریس کا سلسلہ جاری تو ہے، البتہ وہ ابھی تک دور حاضر کے تقاضوں کے تحت عملی مضمون نہیں بن سکا ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جغرافیائی، لسانی، تہذیبی، معاشرتی، معاشی، علمی اور سائنس اور ٹکنالوجی کی ترقیوں کے باعث جو جدید مسائل پیدا ہوئے ہیں انھیں تدریس اور تدوین کے عمل میں مرکزی حیثیت دی جائے۔ ذیل میں تدریس و تدوین کے عمل میں حائل بعض موانع کا تذکرہ کر کے ان کا حل تلاش کرنے کی کوشش کی گئی ہے:

۱- فقہی مسائل میں معتدل موقف

تدریس و تدوین کے ہر دو عمل کو قانون سازی کے ضمن میں پائیداری اسی وقت

نصیب ہوسکتی ہے، جب کہ امت کے تمام معروف فقہی دبستانوں سے بلا امتیاز وتفریق مدد لی جائے۔ اجتہاد کے عمل کو اختیار کرتے ہوئے قرآن وسنت سے زیادہ قریب اور حالات و زمانہ اور مصالح شرعیہ سے زیادہ ہم آہنگ جو مسلک بھی نظر آئے اسے ترجیح دی جائے۔ اس رویے کے ذریعہ بے شمار فوائد حاصل ہوں گے، مثلاً براہ راست مآخذ اصلی سے اخذ واستفادہ کی فضا عام ہوگی، تمام معروف فقہی مسالک کی نمائندگی کی وجہ سے ان کا اعتماد حاصل ہوگا، مسلم معاشرہ فرقہ وارانہ تعصب سے نجات پاسکے گا، اور اجتماعی اجتہاد کا یہ عمل عصر حاضر کے تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے اسلامی قانون کو بہتر شکل میں اور متبادل کے طور پر پیش کرنے میں کامیاب ہوسکے گا۔

۲-اسلاف کی فقہی خدمات کا اعتراف

عقل ونقل اور تاریخی حقائق کی روشنی میں یہ امر ثابت شدہ ہے کہ ائمہ اربعہ کے پاس عہد نبوی سے زمانی قربت کے باعث علم کا جو بہترین ذخیرہ موجود تھا وہ ان کی فقہ کی بنیاد تھا، نیز یہ کہ بصیرت کا جو وافر حصہ انھیں ملا تھا اس کی ہم سری کا کوئی شخص یا ادارہ کسی زمانہ میں دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اس لیے ان ائمہ کرام کے اجتہادات سے صرف نظر کرکے کوئی بھی انفرادی یا اجتماعی اجتہاد مستقبل میں ثمر بار نہیں ہوسکتا۔

۳-عصر حاضر کے غیر تعبیر شدہ مسائل

فقہی متون اور فقہاء کرام کی کامیابی اور مقبولیت کا راز وقت کے مسائل سے آگہی اور انسانی معاشرہ سے جڑنے اور اسے آسانی فراہم کرنے میں پنہاں ہے۔ اس لیے عصر حاضر میں ضروری ہے کہ عالم اسلام کے مفتیان اور قضاۃ کی آراء کو یکجا کیا جائے اور ان میں سے شریعت سے قریب تر آراء کو اختیار کیا جائے اور ان مسائل کے حل کے لیے جو اب تک وقوع پذیر نہیں ہوئے ہیں، جید علماء کی کمیٹی بنادی جائے، دوسری طرف سماجی علوم، قانون اور طب کے ماہرین سے اخذ و استفادہ میں تکلف سے کام نہ لیا جائے۔ کیونکہ عصری جامعات کے فارغین کو مدارس کے علماء کے مقابلہ میں نئی معلومات زیادہ حاصل ہوتی ہیں۔

۴- عرف اور مصلحت

قانون سازی کے عمل میں معاشرہ کے عرف اور مصلحت کو ہمیشہ ترجیحی طور پر برتا گیا ہے، اس کے نتیجہ میں اسلامی قانون، تنگی، یک رخے پن اور شدت پسندی سے دور اور آسانی، کشادگی، پائداری اور لچک سے آشنا رہا ہے۔[۸]

۵- نصابِ تعلیم اور نظام تدریس

کالجوں، یونیورسٹیوں اور مدارس کی سطحوں پر بعض جرأت مندانہ اقدامات جمود و تعطل کی موجودہ کیفیت کو ختم کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں، مثلاً یہ کہ مدارس اور یونیورسٹیوں میں فقہی مسالک کو بڑھاوا دینے کے بجائے قرآن وسنت سے استدلال کو رواج دیا جائے۔ یہ فضا اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جب کہ مدارس اور یونیورسٹیوں کے نصاب میں فقہ مقارن کو شامل کیا جائے۔ یہاں یہ ذکر بے جا نہ ہوگا کہ پاکستان میں ڈاکٹر محمود احمد غازی (م ۲۰۱۰ء) نے الفقہ العولمی (Cosmopolitan Fiqh) کے ذریعہ اس مسئلہ کو حل کرنے کی صلاح دی تھی، جس کا مطلب یہ ہے کہ عالمی سطح پر تمام مسلمانوں کے لیے قرآن وسنت اور فقہاء کی آراء پر مبنی ایک کوڈ کو رواج دیا جائے، جس کا نام اسلامی قانون ہو۔[۹]

نصاب و نظام تعلیم سے جڑی ہوئی یہ بات بھی اہمیت سے خالی نہیں کہ تدریس و تحقیق کے عمل میں طلبہ و اساتذہ کی خارجی و باطنی تربیت پر توجہ دی جائے، تاکہ ان کے اندر علمیت، سنجیدگی، کھلا پن، خود اعتمادی وخود احتسابی اور دوسروں کو برداشت کرنے کی اعلیٰ صفات پروان چڑھ سکیں۔ اسی طرح طلبہ کے اندر فیلڈ اسٹڈی کی عادت پروان چڑھائی جائے، کیونکہ اسلامی قانون در اصل سماجی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی اقدار میں پروان چڑھتا اور برگ و بار لاتا ہے، چنانچہ اسلامی قانون سے وابستہ طلبہ کے لیے ضروری ہے کہ سماجی علوم کی تدریس کے پہلو بہ پہلو مختلف سماجی طبقات کے درمیان وقت گذار کر ان کے مسائل و مشکلات معلوم کریں اور ان کا حل تلاش کریں۔

مذکورہ تجاویز کے مطابق اگر طلبہ کی رجحان سازی کی جائے تو مستقبل قریب میں

تدوین فقہ کی راہ کی مشکلات پر قابو پانا آسان ہوجائے گا۔ یہ پہلو بھی ہماری نظروں سے اوجھل نہیں ہونا چاہیے کہ عالمی سطح پر منفی کوششیں جاری ہیں، تاکہ اسلامی قانون کو مشکوک اور بے وزن بنا کر رکھ دیا جائے۔ ایسے دور میں ٹھوس تحقیقی مقالات اور کتب کی تیاری کے لیے ایک ٹیم الحمدللہ اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے نام سے سرگرم عمل ہے، جس نے ۱۹۸۸ء سے اب تک ملک کے طول وعرض میں تمام مکاتب فکر کی نمائندگی کو یقینی بناتے ہوئے بیس عالمی سمینار کرائے ہیں۔ عالمی سطح پر اور خود ہندوستان میں ایک خوش آئند پہلو یہ ابھرا ہے کہ نئے ایشوز پر سمیناروں اور ان میں منظور کی گئی قرار دادوں کے ذریعہ اجتماعی اجتہاد کی فضا پروان چڑھی ہے، اور ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگریاں ان موضوعات پر تفویض کی جارہی ہیں، جن کا اس سے قبل کوئی تصور نہیں تھا۔ اس کے نتیجہ میں طب وصحت، مائکرو فینانس، ٹریڈ و کامرس اور ماحولیاتی آلودگی کے مسائل کو اسلامی قانون کا حصہ بنا کر تحقیق وتدریس کا عمل شروع ہو چکا ہے۔

آئندہ صفحات میں ہندوستان میں فقہ اسلامی کی تدریس، تدوین اور تنفیذ کے امکانات کو تلاش کرنے کے لیے پٹنہ اور علی گڑھ کے دو دینی وعصری اداروں کے نصاب و نظام کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے، تاکہ فکر اور عمل کی روشنی میں بہتر صورت حال ہمارے سامنے نکھر کر آسکے۔

المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ- ایک تعارف

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے بانی حضرت مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد قاسمیؒ (م۱۹۴۰ء) کی فکری بصیرت کے نتیجہ میں ہندوستان میں اسلام کے نظام اجتماعی کو از سر نو زندہ کیا گیا، چنانچہ نظامِ قضا کا جو تصور دھندلا ہو چکا تھا اس کو عملاً جاری کیا گیا۔ چوتھے امیر شریعت حضرت مولانا منت اللہ رحمانی قاسمیؒ (م۱۹۹۰ء) نے نظم قضا کو مستحکم بنیادوں پر استوار کیا اور ملک کے مختلف مقامات پر کیمپوں کے ذریعہ نوجوان علماء، مدرسین اور اساتذۂ فقہ وحدیث کو اس سلسلہ سے مربوط کرنے کی کوشش کی۔

امارت شرعیہ بہار واڑیسہ وجھارکھنڈ کی عمارت ۱۹۹۸ء سے قبل دونوں کورسز (افتاء و

قضا) کی کفیل تھی، لیکن بوجوہ پھلواری شریف ہی میں امارت کے قریب مولانا مجاہدالاسلام قاسمیؒ (م۲۰۰۲ء) کی زیرنگرانی المعہد العالی کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا گیا۔ بانی ادارہ تحریر فرماتے ہیں: ''المعہد میں داخل ہونے والے فضلاء کی دوسالہ تعلیم کے دوران نہ صرف یہ کہ انھیں جدید مسائل کی تخریج اور پیش آمدہ مسائل کے حل وفتوی نویسی کی تربیت دی جاتی ہے، بلکہ مختلف علمی وفقہی موضوعات پر تحقیق بھی کرائی جاتی ہے اور اس کے ساتھ ہی اسلام کے عدالتی نظام کے عملی طریقوں سے واقفیت کرانے کے ساتھ ساتھ قضاء کے مختلف مسائل کی نظری تعلیم اور عملی تربیت بھی دی جاتی ہے۔ امارت شرعیہ کا نظام قضاء انتہائی مربوط ومنظم اور وسیع بنیادوں پر قائم ہے، جہاں روزانہ نئے مقدمات کی سماعت اور فیصلے ہوتے ہیں اور اس کے پاس شرعی فیصلوں کا نوّے (۹۰) سالہ عظیم الشان فقہی ذخیرہ بھی محفوظ ہے، جس سے یہ فضلاء فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس طرح یہ کہنا حق بجانب ہے کہ فقہ اسلامی میں تخصص اور قضاء وافتاء پر عبور حاصل کرنے کے لیے امارت شرعیہ صحیح ترین جگہ ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہاں سے تربیت پاکر نکلنے والے علماء سے پورے ملک میں قانون شریعت کے تحفظ اور عائلی نزاعات کے حل کے لیے قائم ہونے والے دارالقضا کی ایک اہم ضرورت پوری ہوگی ..... ساتھ ہی وہ ملک کے مختلف دارالافتاء میں فتویٰ کی ذمہ داریاں بھی نبھائیں گے ..... اور قانون اسلامی کو ایک زندہ قانون کی حیثیت میں آج کے حالات میں پیش کرنے کے لائق ہوں گے، ان کی نظر مدارج احکام پر ہوگی اور وہ جدید سائنس وٹکنالوجی کی موجودہ ترقی اور معاشرتی تبدیلیوں پر گہری نظر رکھتے ہوئے شریعت کی تطبیق کے اہل ہوسکیں گے''۔[۱۰]

افتاء اور قضا در اصل قانون اسلامی کی توضیح وتعبیر، پیش آمدہ واقعات کی تحقیق اور احکام شریعت کی تطبیق کا وہ عمل ہے جو ہر دور میں جاری وساری رہا ہے۔ یہ تربیت صرف مقدمات کی عملی کارروائی، چند فتاوی کے جوابات اور ایک دو کتابوں کی تدریس سے ممکن نہیں ہے، بلکہ پوری گہرائی کے ساتھ فقہ اسلامی اور اس سے متعلق ضروری فنون کے مطالعہ، بحث و تحقیق کے ذوق کی تخلیق، اہم مراجع کی طرف طلبہ کی رہنمائی، فقہی نقطۂ نظر سے احکام شریعت کے اساسی مصادر، ادب قضاء اور اصول افتاء پر مستند کتب کے مطالعہ اور ان کاموں کی عملی

تربیت سے ہی اچھے مفتی اور قاضی پیدا ہوسکتے ہیں۔

مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے امارت شرعیہ کے زیر نگرانی المعہد میں جاری نصابِ تعلیم کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱- **اصول** میں شیخ ابوزہرہ کی کتاب اصول الفقہ داخل نصاب کی گئی ہے۔

۲- **قواعد فقہ**، جس کو ہندوستان کے دینی مدارس کے مروجہ نصاب میں وہ اہمیت نہیں دی گئی ہے جو اس کا حق ہے۔ یہ شریعت کی کلیات اور دین کے مزاج و مذاق کی مظہر ہیں۔ فقہی جزئیات کا بہت بڑا حصہ اجتہاد و استنباط پر مبنی ہے، جن میں تغیّر احوال کی وجہ سے تبدیلی ہوسکتی ہے، لیکن یہ قواعد مستقل اور دائمی ہیں۔ نصاب میں اس موضوع کی متعدد کتب، قدیم و جدید اہل علم کی شامل کی گئی ہیں مثلاً ابن نجیم مصری کی الاشباہ والنظائر اور عبداللہ کرخی کی رسالہ فی الاصول۔

۳- **اسرارِ شریعت**: اسلامی قانون کے صحیح ادراک کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اہداف و مقاصد واضح ہوں۔ اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ کی حجۃ اللہ البالغۃ اور امام شاطبی کی الموافقات فی اصول الشریعۃ کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جاتا ہے۔

۴- **مختلف فقہی مسالک کا مطالعہ**: اس غرض کے لیے نصاب کو اس طرح بنایا گیا ہے کہ ایک قاضی و مفتی جان سکے کہ فقہی و اجتماعی مسائل میں کون کون سے مسائل محل غور و فکر بن سکتے ہیں اور کون سے مسائل وہ ہیں جن میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے۔ اس فن کی متعدد کتب شامل نصاب کی گئی ہیں، مثلاً مختصر الطحاوی (حنفی)، الثّمر الدّانی (مالکی)، متن ابی الشجاع (شافعی)، الروض المربع (حنبلی) ابن ہبیرہ کی الافصاح اور ابن رشد قرطبی کی بدایۃ المجتہد۔

۵- **آیات احکام واحادیث**: اس مقصد کے لیے امام جصاص اور علامہ ابن العربی کی کتابوں بہ عنوان احکام القرآن کے منتخب حصوں اور نصب الرایۃ کے منتخب ابواب کو نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۶- **مجلّات مجامیع الفقہ الاسلامی کا مطالعہ**: ان کتابوں اور تحریروں پر نگاہ رکھنی ضروری ہے جو عصر حاضر کے جدید پیدا شدہ مسائل کے حل کے لیے لکھی گئی ہیں۔ چنانچہ جدہ

اور ہندوستان میں مجلّات مجمع الفقہ الاسلامی کے نام سے جو کتابیں شائع شدہ ہیں، انھیں نصاب کا حصہ بنایا گیا ہے۔

۷- **احوال شخصیہ**: یہ ایک حقیقت ہے کہ معاملات اور احوال شخصیہ میں فقہ حنفی اس زمانہ کے تقاضوں سے قریب تر ہے۔ اس لیے فقہ حنفی سے معاملات اور احوال شخصیہ کے اہم ابواب سبقاً سبقاً داخل نصاب ہیں، چنانچہ شیخ ابوزہرہ کی الاحوال الشخصیۃ اور محمد مصطفیٰ شبلی کی احکام الاسرۃ فی الاسلام کو خصوصی طور پر داخل نصاب کیا گیا ہے۔

۸- **ادب القاضی** ایک وسیع الاطراف موضوع ہے اور اس پر بہت سی کتابیں شائع شدہ ہیں۔ معہد میں اس موضوع کی نہایت اہم اور مستند کتابیں درس ومطالعہ کے لیے منتخب کی گئی ہیں۔ قانون شہادت، احکام قضاء کا نہایت اہم حصہ ہے جس پر واقعات کے ثبوت کا مدار ہے اور دور جدید میں مروج قانون شہادت اسلام سے بہت کچھ مختلف ہے، اس لیے اسلام کے قانون شہادت اور آج کے مروج مغربی قانون شہادت کے تقابلی مطالعہ کو بھی شامل نصاب کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے امام ماوردی کی ادب القاضی کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے۔

۹- **عملی مشق وممارست**: افتاء کے پہلے سال میں کم از کم ڈیڑھ سو نئے مسائل کا استخراج کرنا ہوتا ہے۔ اسی طرح قضا والے سال آخر میں سو(۱۰۰) عدد فیصلہ شدہ قضایا کا مطالعہ کرنا اور ان کا خلاصہ تیار کرنا ہر طالب علم کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ امارت شرعیہ کے دارالقضا کی ابتدائی کارروائی سے لے کر فیصلہ سنائے جانے تک کی عملی مشق بہم پہنچائی جاتی ہے۔ اسی طرح سال دوم میں طالب علم کے لیے سو صفحات پر مشتمل ایک وقیع مقالہ کسی فقہی عنوان پر لکھ کر جمع کرنا ہوتا ہے، یا کسی اہم مخطوطہ کے پچیس صفحات پر تحقیقی کام کرنا شامل نصاب ہے۔

۱۰- **علمی وفقہی محاضرات**: ان محاضرات میں علوم اسلامیہ کے ماہرین کے علاوہ وکلاء اور ججز سے بھی استفادہ کیا جاتا ہے۔

۱۱- **انگریزی زبان کی تدریس اور کمپیوٹر ٹریننگ**: مدارس کے فارغین کو انگریزی زبان پر اس قدر عبور ہونا لازمی ہے کہ اسلامی قانون اور متعلقات پر قیمتی مباحث نیز اعتراضات کو سمجھ سکیں۔ اسی طرح کمپیوٹر کے ذریعہ انٹرنیٹ کو استعمال کر کے اس سے اخذ و

استفادہ کے لائق بن سکیں۔ دونوں طرح کی ٹریننگ کے لیے اساتذہ اور لیب کی سہولت فراہم کی گئی ہے، تاکہ مفتیان اور قضاۃ عصری تقاضوں سے ہم آہنگ ہوسکیں۔[۱۱]

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا شعبۂ قانون- نظام ونصاب کا مطالعہ

ہندوستان میں عصری قانون کے تجزیہ کے لیے مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ قانون کے انتخاب کی ایک وجہ یہ ہے کہ سرسید کے ذریعہ ۱۸۹۱ء میں قائم ہونے والا یہ شعبہ مسلم قانون کے سلسلہ میں بعض اہم انتظامات واقدامات کا حامل ہے۔ چنانچہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ یہاں سے فارغ ہونے والا طالب علم وکالت کی دنیا میں قانونِ اسلامی کے مآخذ، اختلافاتِ فقہاء اور دیگر امور سے کسی حد تک واقف ہوجاتا ہے۔ پانچ سالہ وکالت کا کورس مکمل کرنے کے بعد اگر کوئی طالب علم ماسٹر ڈگری کا کورس کرنا چاہتا ہے تو شعبہ میں چار سمسٹر پر مبنی دوسالہ ایل ایل ایم کورس میں اسے اختصاصی طور پر اسلامی قانون میں مہارت حاصل کرنے کا پورا موقع دیا جاتا ہے۔ مزید خوش آئند بات یہ ہے کہ جس طرح دیگر مذاہب (ہندومت، عیسائیت وغیرہ) میں ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری تفویض کی جاتی ہے، اسی طرح مسلم قانون کے کسی بھی عنوان کو یہاں موضوع بنا کر طالب علم ایم فل اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرسکتا ہے۔ شعبہ کی اس رواداری کی ستائش ہونی چاہیے کہ ایک غیر مسلم بھی اگر اسلامی قانون کے کسی گوشے پر پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا چاہے تو وہ پوری فراخدلی سے اسے پی ایچ ڈی میں داخلہ دیتا ہے۔ رواداری کی دوسری بڑی مثال یہ ہے کہ پانچ سالہ کورس کے دوران تمام طلبہ کے لیے، خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو، سکھ ہوں یا عیسائی، مسلم لا اور ہندو لا کا مطالعہ لازمی ہے۔ مسلمان طالب علم کے لیے دیگر مذاہب کے قانون کا مطالعہ کرنا لازمی ہوتا ہے، تاکہ وہ ہندوستان میں موجود مذاہب کے قوانین سے اچھی طرح واقف ہوسکے۔

پنج سالہ نصاب کی مختصر جھلکیاں

پانچ سالہ Integrated کورس کا نفاذ یو جی سی کی جانب سے B.A.LL.B (Hons)

کے نام سے ۱۹۹۷ء میں ہندوستان کے تمام لا کالجز میں ہوا ہے۔ اس سے قبل تک تین سالہ L.L.B کورس نافذ العمل تھا اور اس میں داخلہ بی اے کی سند کے ذریعہ ملتا تھا، لیکن اس پانچ سالہ جدید نظام میں بارہویں کے بعد تحریری مقابلہ کے ذریعہ داخلہ ممکن ہوجاتا ہے۔ اس طرح ایک مسلمان وکیل ۱۷ سالہ کورس (۱۰+۲+۵) کے ذریعہ ہندوستان کے قانونی اداروں (ضلع، ریاست، مرکز) میں باضابطہ ملازمت کا اہل ہوجاتا ہے۔ گویا وہ اپنی زندگی کے بائیسویں/ تیسویں سال میں اس شعبے سے ڈگری حاصل کرنے کے بعد روزگار تلاش کرسکتا ہے۔

ایل ایل بی پروگرام ۲۱/اکتوبر ۱۹۹۷ء میں Bar Council of India (BCI) ، یونیورسٹی گرانٹس کمیشن (U.G.C) اور Curriculum Devlopment Center (CDC) کی کوششوں کے نتیجہ میں نافذ العمل ہوا۔ اگرچہ Advocate Act کے ذریعے ۱۹۶۱ء سے ہی آزاد ہندوستان میں قانون کی تدریس جاری وساری ہے۔

ایل ایل بی پروگرام کے مقاصد کو CDC رپورٹ (باب چہارم) میں منضبط طور پر بیان کیا گیا ہے، جس کی بعض جھلکیاں درج ذیل ہیں:[۱۲]

ظلم کا ہرجانہ دلوانے کی صلاحیت پیدا کرنا، مرد و زن کے درمیان عدل قائم کرنا، معذوروں کے لیے قانونی تحفظات کی نشان دہی کرنا، آراضی زمین میں اصلاحات کا جائزہ لینا، عدالتی قوت و طاقت اور کارروائی کے عمل کی معرفت پیدا کرنا، حقوق انسانی کی بحالی اور نفاذ کے طریقے، امن عامہ اور بدون اسلحہ زندگی گذارنا، تعلیم کا نظام، منصوبہ بندی اور قوانین، قانونی پیشہ اور وکالت کی اخلاقیات، صحت عامہ کے قوانین، قانون اور عام خدمت گاران، قانونی پیشہ میں دسترس کے مسائل، حکم رانی، جمہور کی حصہ داری اور قانونی ادارے، قانون سازی کی عملی مشق، اجتماعی یا مشترکہ سرمایہ کاری کی جدوجہد، غیر منظم محنت اور قانون، ٹیکس پالیسی اور منصوبہ بندی، سماجی و معاشی جرائم، اجارہ داری اور قبضہ سے متعلق قوانین، عوامی قحط، ناگہانی آفات، جنگلات اور قانون۔

مذکورہ بالا رہ نما خطوط کو سامنے رکھ کر یونیورسٹی گرانٹس کمیشن نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں جن کورسز کی اجازت دی ہے ان سب کا مطالعہ اس مقالہ میں مشکل ہے، البتہ

بعض عنوانات اوران کی روشنی میں امتیازات کی نشان دہی کی جاتی ہے:

سال اول، پہلی ششماہی: (۱) تاریخ ہندوستان (قدیم) (۲) اصول سیاسیات، (۳) معاشیات (۴) سماجیات (۵) قانونی منہاج واسلوب (۶) انگریزی زبان وادب۔

سال اول، دوسری ششماہی: (۱) تاریخ ہندوستان: عہد وسطی اورعصر جدید (۲) علم سیاسیات: افکار ونظریات (۳) علم معاشیات: اصول ونظریات (۴) علم سماجیات: اصول و نظریات (۵) قانونی معاہدہ واقرار نامہ (Contract) (۶) انگریزی زبان وادب کی اعلیٰ لیاقت۔

سال دوم، پہلی ششماہی: (۱) فقہ اسلامی (۲) ہندوستان کے فوج داری قوانین (۳) ہرجانہ وحق تلفی کا قانون (Tort) (۴) قانونی معاہدہ واقرار نامہ (۵) آئینی قانون (Constitutional Law) (۶) انگریزی زبان وادب کی اعلیٰ لیاقت۔

سال دوم دوسری ششماہی: (۱) اسلام کا شخصی قانون (۲) ہرجانہ وحق تلفی کا قانون (۳) دستوری قانون (۴) تجارتی قانون (Mercantile) (۵) فوج داری قوانین (۶) انگریزی زبان وادب۔

سال سوم، پہلی ششماہی: (۱) اسلام کا ملکی قانون (۲) ہندو قانون (۳) شہادت کا قانون (۴) اصول قانون اور فقہ (۵) کمپنی لا (۶) عوامی عالمی قانون (Public International Law)۔

سال سوم، دوسری ششماہی: (۱) دیوانی معاملات اور اس کے حدود (Civil Procedure & Limitation) (۲) ہندو قانون (۳) قانون شہادت (۴) لیگل تھیوری یعنی دستوری قانون (۵) انتظامی قوانین (Administrative Law) (۶) عوامی عالمی قانون۔

سال چہارم، پہلی ششماہی: (۱) دیوانی اعمال کا قانون (Civil Procedure Code) (۲) محنت کا قانون (۳) پراپرٹی ٹرانسفر کا ایکٹ (۴) عالمی پراپرٹی حقوق (۵) اترپردیش آراضی قانون (۶) بینکنگ اورانشورنس (۷) جرائم اور تعزیرات (Criminology & Penology) (۸) ٹیکس کے قوانین۔

سال چہارم ، دوسری ششماہی: (۱) فوج داری قوانین(۲) محنت کا قانون (۳) پراپرٹی ٹرانسفر کا ایکٹ (۴) ماحولیاتی قانون (۵) عالمی تجارت کے قوانین (٦) عورتوں سے متعلق قوانین (۷) صارفین سے متعلق قوانین۔

سال پنجم ، پہلی ششماہی: (۱) فوج داری قوانین (۲) ہیومن رائٹس کے قوانین (۳) تصفیہ کا متبادل نظام (Alternative dispute redressal) (۴) میڈیا اور قانون (۵) قانونی چارہ جوئی (Legal Remedies) (٦) دعوی/ جواب دعوی پیش کرنا، کیس لکھنا، اور خیالات کو موثر بنا کر پیش کرنا (Pleading, Drafting and Conveyancing)۔

سال پنجم، دوسری ششماہی : (۱) مدوّن قانون کی تعبیر وتشریح (Statutes) (۲) پیشۂ وکالت کی اخلاقیات (۳) دعوی/ جواب دعوی پیش کرنا، کیس لکھنا اور خیالات کو موثر بنانا (۴) عوام کے مفاد کی وکالت۔ اس کی تین شکلیں ہیں: (الف) قانونی شعور Legal Literacy) (ب) مختلف معاملات کی رپورٹوں کا مطالعہ (Case Comment) (ج) لوک عدالت کی جانکاری (۵) مقامی قانون (٦) تصفیے کی عدالت اور اس کی عملی تربیت (Moot Court)۔

شعبۂ قانون کے اس کورس کے دوران طالب علم کو اکسٹھ (٦١) الگ الگ موضوعات پر مقتدر شخصیات سے لکچرس سے استفادہ کرنے کا موقع میسر ہوتا ہے۔ ہر کورس پانچ یونٹوں پر مشتمل ہوتا ہے اور ہر پیپر میں کم از کم دس کتب پڑھنے کی سفارش کی جاتی ہے۔ انہی کتب کے مطابق اساتذہ کلاسوں میں اظہار خیال بھی کرتے ہیں۔ اس پوری مدت میں سمیناروں، مباحثوں، ثقافتی مقابلوں اور علمی مقالوں کے علاوہ پس ماندہ علاقوں میں جا کر عوام کو باخبر کرنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ ہندوستانی عدالتوں سے جاری ہونے والے فیصلوں کا مطالعہ بھی نصاب کا اہم جز ہے۔ شعبہ کے لا جرنل میں طلبہ اپنی تحقیقات بھی شائع کراتے ہیں۔

لیکچر کے اکسٹھ (٦١) موضوعات میں جن عناوین اور موضوعات کا انتخاب کیا گیا ہے ان پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں مآخذ شریعت، اصول شریعت اور فقہ اسلامی کے منتخب موضوعات شامل ہیں۔

نصاب میں قانون اسلامی کا حصہ

پنج سالہ کورس کے ۶۱/ مضامین میں بی اے ایل ایل بی کی سطح پر صرف تین Papers اسلامی قانون کی تدریس کے لیے مختص کیے گئے ہیں:

1- Islamic Jurisprudence (BLLB-301)

2- Muslim Law Relating to Status (BLLB-401)

3- Muslim law Relating to Property (BLLB-501)

جب کہ ایل ایل ایم کے دوسالہ کورس میں اسلامی قانون کے تحت پانچ مضامین داخل نصاب ہیں، جن کے عنوانات یہ ہیں:

1- Islamic Jurisprudence (LLM-311)

2- Muslim Law Relating to Status (LLM-312)

3- Muslim Law Relating to Property (LLM-313)

4- Islamic Legal System (LLM-411)

5- Islamic Criminal Law (LLM-412)

بی اے ایل ایل بی کے تین مضامین میں پندرہ یونٹیں ہیں، جن کے ذیلی موضوعات ذیل میں تحریر کیے جاتے ہیں:

اسلام کی آمد سے قبل قانون کا تصور، اسلام کی نشو ونما، مغربی قانون اور اسلامی قانون کا تجزیہ، شریعت ایکٹ 1937، تنسیخ نکاح ایکٹ 1939، اسلامی قانون کے مراجع و مآخذ (قرآن، سنت، اجماع، قیاس)، فقہاء اربعہ اور قانون اسلامی میں ان کی خدمات، شیعہ مکاتب فکر (امامیہ، اسماعیلیہ، زیدیہ)، شیعہ اور سنیوں کے درمیان قانونی وفقہی اختلافات، اقتدار اعلیٰ کا اسلامی اور مغربی تصور، نکاح کا اسلامی تصور، زوجین کے حقوق وفرائض، طلاق اور اس کے متعلقات، مہر ونفقہ، گارجین شپ اور ولایت، ارتداد اور تبدیلیٔ مذہب، وصیت و ہبہ، تاریخی مقدمات کا مطالعہ ومحاکمہ، وقف اور اس کے متعلقات، وقف سے متعلق مقدمات اور قضایا کا مطالعہ، میراث کے عمومی اصول اور حصص۔

ایل ایل ایم کے پانچ مضامین کے موضوعات کا خلاصہ یہ ہے:

فقہ اسلامی، اصول فقہ، عہد تدوین، مختلف مسالک کا ارتقاء اور ان کی خصوصیات، ریاست اور اقتدار اعلیٰ، نکاح وطلاق کی علمی بحثیں، مثلاً مرد وزن کی ضرورت، نکاح کے موانع و عوارض، نکاح مستحسن و نکاح فاسد، تطلیقات ثلاثہ، نان ونفقہ سے متعلق مقدمات اور ان کی تفصیلات، ہندوستانی عدالت کا رویہ بابت مہر و نان ونفقہ، شہادت کا اسلامی اور ہندوستانی تصور، وصیت و ہدیہ میں فرق، وقف اور شفعہ سے متعلق ہندوستانی مقدمات اور تاریخی حوالوں کا مطالعہ، رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں ریاست کے فرائض، اہداف اور اختیارات، مجلس شوریٰ، اسلام میں حق کا تصور، سزاؤں کی حکمتیں، اطفال کشی، جرم و سزا کا تصور، حدود، متعینہ و غیر متعینہ سزائیں، مثلاً قصاص، حدود اور تعزیر وغیرہ۔

دونوں کورسز کے نصاب میں اسلامی قانون کا تناسب برائے نام ہے، البتہ یہ مسئلہ صرف مسلم لا کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ ہندو لا کو بھی پورے نصاب میں اسی قدر نمائندگی حاصل ہے، البتہ تدریس کے عمل میں اسلامی قانون کے سلسلے میں بے توجہی اور ماہر اساتذہ کے انتخاب میں تساہلی کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ یہ ایک عام کمزوری ہے جس کی طرف یو جی سی کو فوری توجہ دینا چاہیے۔

مذکورہ بالا قانونی مباحث کے لیے ہندوستانی علماء اور دانش وروں کی ۸۴ کتب، کئی درجن عدالتی مقدمات اور مقالات کی سفارش کی گئی ہے۔ انگریزی زبان کی یہ کتابیں عصر جدید کی اعلیٰ تحقیقات ہیں، البتہ اسلامی شریعت کی توضیح میں کہیں کہیں دانستہ یا نادانستہ تسامحات اور غلط تعبیرات کا بھی سراغ لگتا ہے۔ قرآن مجید، صحیح بخاری، صحیح مسلم اور سنن ابوداؤد وغیرہ کے انگریزی تراجم کے علاوہ غیر ہندوستانی علماء کی قانونی تشریحات کو بھی سفارشی کتب میں جگہ دی گئی ہے، مثلاً محمصانی اور محمد اسد کی کتب۔ ان سفارشی کتب میں جن علماء کرام کی تصانیف کو شامل کیا گیا ہے ان میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور مولانا محمد تقی امینیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جن عصری دانش گاہوں کے فارغین کی تحقیقات کو شامل کیا گیا ہے ان کی فہرست کافی طویل ہے، ان میں سے بعض اہم ناموں کا تذکرہ یہاں کیا جاتا ہے جن کا نوآبادیاتی دور کے

عدالتی نظام سے گہرا تعلق رہا ہے۔ وہ ہیں: جسٹس عبدالرحیم، جسٹس امیر علی، جسٹس اے اے فیضی، جسٹس عبدالقدیر، ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن اور انور معظم وغیرہ۔ عصر جدید کے جن حضرات کی قانونی تحریروں کو نصاب میں بطور سفارشی کتب شامل کیا گیا ہے وہ ہیں طاہر محمود، کمال فاروقی اور الحاج معین الدین احمد وغیرہ۔

فیکلٹی کی رواداری کا روشن باب یہ ہے کہ غیر مسلموں کی معتدل اور مبنی برانصاف تحریروں سے استفادہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ جن ہندو اہل علم کی قانونی نگارشات کو نصاب میں شامل کیا گیا ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

ایس کے سکسینہ کی مسلم لا، گلا ونس کی میرج ان اسلام، جے این ڈی انڈرسن کی فیملی لا ریفارم ان مسلم ورلڈ، آر کے وِلسن کی ڈائجسٹ آف اینگلو محمڈن لا اور جے این کولسن اور ڈی ایف ملا کی مختلف تحریریں، وغیرہ۔

تجاویز اور مشورے

المعہد العالی پھلواری شریف پٹنہ اور شعبۂ قانون مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کے نصاب و نظام تعلیم کے تجزیے سے دونوں کے حسن و قبح کے متعدد پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ علماء ذی وقار کی کاوشیں اسلامی قوانین کی تدریس و تدوین میں بجا طور پر سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حکومتی سرپرستی کے بغیر، بلکہ حکومتی مداخلت کی فضا میں شریعت اسلامی کی حفاظت اور اس کی تبلیغ و ترسیل بجائے خود قابل رشک عمل ہے۔ دوسری طرف سیکولر جمہوری نظام میں یو جی سی کے رہنما خطوط کے اندر رہتے ہوئے مسلم قانون کے قابل لحاظ حصے کو تدریس کا لازمی جز و بنائے رکھنا اور ان موضوعات پر اعلیٰ ڈگریوں کی تفویض کے عمل کو جاری رکھنا مسلم یونیورسٹی کا ایک اہم کارنامہ ہے۔ تاہم ان خوش گوار حقیقتوں کے ساتھ بعض تلخ حقائق کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اصلاح کا عمل آگے بڑھ سکے۔

۱- پہلی بات یہ کہ مدارس اسلامیہ کا فاضل، جو مفتی یا قاضی بنتا ہے، اس کے اندر علمیت، فضیلت اور مذکورہ دو سالہ کورس کرنے کے بعد مذہبی رہنمائی کی صلاحیت تو فطری طور پر

پروان چڑھتی ہے، البتہ قابل توجہ اور لائق اصلاح پہلو یہ ہے کہ مدارس کے یہ فارغین ہندوستان کو علمی طور پر سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں۔ افتاء اور قضا سے قبل عالمیت وفضیلت کے تفصیلی نصاب کو بھی ان کی ہندوستانی معلومات کے لیے معاون نہیں مانا جاسکتا ہے، کیونکہ اس کے باوجود یہ حضرات Indology (فن ہندوستانیات) سے ناواقف ہی رہتے ہیں۔ ہندوستان کی قدیم، عہد وسطی اور عصر جدید کی تاریخ سے یکسر عدم آگہی 'احتساب اور عدل و انصاف' کی تفہیم اور اس کے احیاء میں بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ دوسری طرف علم سماجیات کے مطالعہ کے ذریعہ ہندوستانی تہذیب وقبائل، رسوم و عادات اور زبان کی واقفیت حاصل ہوتی ہے، جو پورے طور پر اسلامی قانون کے تدریسی عمل میں مفقود ہے، چنانچہ ہندوؤں، سکھوں اور عیسائیوں کے لیے مفید ہونے کی بات تو درکنار خود مسلم اقلیت کے علاقائی مسائل سے بھی ہمارے یہ فارغین نابلد رہتے ہیں اور افتائی وقضائی نصاب اس کمی کو پورا نہیں کر پاتا۔

۲- مسلمانوں کے علاوہ دیگر اقوام مثلاً ہندوؤں، عیسائیوں وغیرہ کے قوانین تحریری شکل میں مدون ہیں، اگرچہ وہ بہت محدود ہیں، کیونکہ ان کے یہاں دین کا وہ جامع تصور نہیں پایا جاتا جو اسلام کا طرّۂ امتیاز ہے۔ ہندوستان میں تدریس، تدوین اور تنفیذ تینوں سطحوں پر اسلامی قانون کے سلسلے میں ایک محقق کو یہ سوال کرنے کا حق ملنا چاہیے کہ اسلامی قانون و دستور کی غیر تحریری/ غیر مستحکم صورت حال کے باوجود تحریری و تدوینی کاوشوں کی حوصلہ افزائی اور اقدام کو عام کیوں نہیں کیا جاتا؟۔

۳- اسلامی قانون کا تاب ناک ماضی اپنی جگہ مسلّم، مگر عصر حاضر میں اس کی کیا معنویت ہے؟ جب اسلامی قانون ہندوستان کی سطح پر موجود ہی نہیں ہے تو اس کی معنویت اپنوں اور بیگانوں کے لیے بے سود ہے۔ محمد بن قاسمؒ کی آمد سے آج تک امت اسلامیہ ہند یہ کو اس مقام پر ہونا چاہیے تھا کہ یہاں ہندو، عیسائی، سکھ، قانون کی دنیا میں مسلم قانون کا مطالعہ و موازنہ کرتے۔ مگر اس موضوع پر صرف مسلمانوں کے قلم سے معدودے چند مقالات، کتابچے اور کتابیں پائی جاتی ہیں۔

ہمارے دارالافتاء، دارالقضا اور مدارس میں معاصر مسائل کا مطالعہ کرنے اور ان

میں اسلام کی رہنمائی پیش کرنے کا ذوق بالعموم پروان نہیں چڑھتا۔ مفتی اور قاضی کا مطلب صرف یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ وہ شریعت کے نصوص کا ماہر ہوگا۔ یہ کوشش بلا شبہ مستحسن ہے، لیکن اسلامی قانون کی معنویت اسی وقت دوسروں پر واضح ہوسکے گی جب معاصر مسائل میں بھی دلچسپی لی جائے، مثلاً آج ماحولیاتی آلودگی اور عالمی تجارت میں گلوبلائزیشن، قومیت اور پرائیویٹائزیشن کے تصورات نے مسائل کو کتنا سنگین کر دیا ہے ان سے بھی مفتی اور قاضی کو بھرپور آگہی ہونی چاہیے۔

۴- المعہد العالی کے نصاب و نظام میں بانیان کی بصیرت کا واضح ثبوت ملتا ہے۔ سائنس وٹکنالوجی کی ترقیات سے پیدا ہونے والے جدید مسائل کے حل کے لیے راسخین فی العلم کی تیاری کا خاکہ مستحسن ہے۔ اس منصوبہ کے حصول کے لیے اگر چند شکلیں اختیار کی جائیں تو بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ اول یہ کہ ہندوستان کے معروف دارالافتاء ودارالقضاء کے طلبہ کی انگریزی کی صلاحیت اس قدر پروان چڑھادی جائے کہ وہ ہندوستانی قانون (جس کا ذکر پوری تفصیل کے ساتھ اے ایم یو کے شعبۂ قانون کے ضمن میں آچکا ہے) کا مطالعہ خود کرسکیں۔ دوم یہ کہ ان مفتیان وقضاۃ کو ڈپلوما/ ماسٹر ڈگری میں داخلہ دلانے کی اعلیٰ سطحی کوشش کی جائے۔ امارت شرعیہ کے قیام سے آج تک میرے علم میں اس طرح کی کوئی کوشش نہیں کی گئی ہے۔ سوم یہ کہ مسلم یونیورسٹی کے ماہرین قانون کو ہر ماہ پانچ دنوں کے لیے مدعو کیا جائے اور ان سے ان ایام میں کم از کم بیس لکچرز کرائے جائیں۔ اس طرح آٹھ ماہ کے تعلیمی سیشن میں ایک سوساٹھ (۱۶۰) لیکچرس کرائے جاسکتے ہیں۔ چہارم یہ کہ پورے ہندوستان کے ریٹائرڈ وکلاء/ ججز کی ایک ڈائرکٹری بنائی جائے (جس میں مذہب کی کوئی قید نہ ہو) پھر ان کی خدمات حاصل کی جائیں اور ہندوستانی عدالتی نظام کی تفصیلات جاننے کی کوشش کی جائے۔ سوال و جواب، سمعی و بصری آلات، رسائل و کتب کا تبادلہ اور انٹرنیٹ وغیرہ کا استعمال اس پورے عمل کو مفید بنا سکتا ہے۔ یہ دونوں عمل مشکل ضرور ہیں، تاہم ناممکن ہرگز نہیں۔

۵- اسلامی قانون کے ماہرین کی تیاری ہندوستان کی امت مسلمہ کی عصری ضرورت بھی ہے۔ اس کے لیے ایک طرف مفتیان وقضاۃ کو تاریخ ہندوستان، علم سیاسیات، علم

معاشیات اور سماجیات کے ساتھ انگریزی کی اچھی استعداد کے لیے چند گھنٹیاں مختص کی جائیں اور علوم شرعیہ کی چند گھنٹیاں کم کردی جائیں۔ یہ عمل ایک طرف قانونِ اسلامی کی عصری معنویت کو آشکارا و توانا کرے گا تو دوسری طرف طلبہ کے اندر معروضیت اور تقابلی مطالعہ کا ذوق بھی پروان چڑھے گا۔

۶- ہندوستان گیر سطح پر مسلم طلبہ جو لا کالجز سے ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں وہ امت کا قیمتی اثاثہ ہیں۔ ان کی تربیت کی فکر کرنا بھی دینی ضرورت ہے، چنانچہ المعہد العالی اگر ہمت کرے تو ایک ڈپلوما کورس عصری جامعات کے فارغین کے لیے شروع کرسکتا ہے۔ اس کورس کے ذریعہ دوطرفہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ اول یہ کہ انہی طلبہ کے ذریعہ عصری ضروریات کی تکمیل بھی ہوسکتی ہے (یعنی عصری دانش گاہوں کے اساتذہ کے ذریعہ محاضرات کا مسئلہ) دوم یہ کہ اس سے عصری جامعات میں مغربی تصوراتِ تعلیم کا طلسم ٹوٹے گا اور مسلم وکیل کو اسلامی احکام وقوانین کا بالاستیعاب علم حاصل ہوگا، کیونکہ مسلم وکلاء جنھیں علی گڑھ لا کالج کے نصاب سے استفادہ کا موقع نہیں ملتا وہ بھی عائلی قوانین کے موٹے موٹے مسائل، اصطلاحات اور مفاہیم کی تشریح کا حقیقی شعور نہیں رکھتے۔ تیسری بات یہ کہ اس ڈپلوما کورس کو تمام وکلاء اور ججز کے لیے خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلم، سکھ ہوں یا عیسائی یکساں طور پر پرکشش بنایا جائے۔ اس عمل کے ذریعہ جہاں ایک طرف فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور رواداری کی فضا قانون کی دنیا میں پروان چڑھے گی، وہیں دوسری طرف غیر مسلم وکلا اور ججز کی بعض الجھنیں دور ہوں گی اور اس کا راست فائدہ ان مستحقین کو ملے گا جو وکلا اور ججز کی علمی نارسائی یا عدم واقفیت کے نتیجہ میں اکثر وبیش تر ان کے فیصلوں کے ذریعہ ظلم کا شکار ہوتے رہتے ہیں۔

حواشی ومراجع

۱ نوآبادیاتی دور، پھر تقسیم ملک کے بعد کے عہد میں نفاذِ شریعت کی تفصیلات کے لیے رجوع کریں: عتیق احمد بستوی، ہندوستان میں نفاذ شریعت، معہد الشریعہ، لکھنؤ، ۲۰۱۰ء، کے مختلف ابواب، نیز دیکھیے: مشیر الحق، مسلمان اور سیکولر ہندوستان، مکتبہ جامعہ نئی دہلی، ۱۹۷۳ء، کے متعلقہ ابواب۔

۲ امین احسن اصلاحی، اسلامی قانون کی تدوین، مکتبہ المنبر، لائل پور، پاکستان، ۱۹۶۳ء، ص ۱۲۰، ۱۲۶۔

۳ نوآبادیاتی دور میں مسلم لا کی تدوین سے متعلق مذکورہ حضرات کی مساعی کے لیے ملاحظہ کریں:

Narendr Kumar Jain, Muslims in India - A Bibliographical Dictionnary, Manohar Publication Delhi, 1983.

۴ تفصیل کے لیے دیکھیے محمد خالد مسعود کا مقالہ:

Teaching Islamic Law and Shariah: A Critical Evaluation of the Present and Prospects for the Future, Occasional Paper of Islamic Studies, No:61, Islamic Reserch Institute, Islamabad, 2005, p.8-9, Published in Quarterly Islamic Studies, Islamabad Summer, 2005, pp.165-189.

۵ محمد خالد مسعود، حوالہ سابق، ص ۱۲

۶ محمد خالد مسعود، حوالہ سابق، ص ۸- ۲۸

۷ حوالہ سابق، ص ۲۸

۸ موانع اور ان کے تدارک کی تدابیر پر بحث کے لیے مولانا امین احسن اصلاحیؒ کی مذکورہ کتاب کے متعلقہ ابواب کا مطالعہ مفید ہوگا۔

۹ دیکھیے ماہنامہ الشریعہ کی خصوصی اشاعت بیاد ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ کے مختلف ابواب، جنوری، فروری ۲۰۱۱ء، مرتب ابوعمار زاہد الراشدی، گوجرانوالہ، پاکستان

۱۰ مجاہد الاسلام قاسمیؒ، تعارف و نصاب تعلیم، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پھلواری شریف، پٹنہ، جولائی ۱۹۹۸ء، ص ۴-۳

۱۱ تفصیل کے لیے ملاحظہ کریں حضرت مولانا محمد قاسم مظفر پوری، رہنمائے قاضی، المعہد العالی للتدریب فی القضاء والافتاء، پٹنہ، ۲۰۰۹ء کے مختلف ابواب

۱۲ تفصیل کے لیے دیکھیں:

http://www.barcouncilofindia.org/wpcontent/uploads/2010/05 Advocates Act, 1961-pdf

نیز دیکھیے:

Bar Council of India Rules, Rules of Legal Education, p.21-22,23-30, Model Curriculum+aw, Chapter-1, p.10-11 & Chapter IV, p.410-499

☆☆☆

عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال: اسلامی نقطۂ نظر

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی

جنگیں زمانۂ قدیم میں بھی ہوتی رہی ہیں، لیکن ان میں روایتی ہتھیاروں کا استعمال کیا جاتا تھا، اس وجہ سے ہلاکتیں اور تباہی و بربادی محدود پیمانے پر ہوتی تھی۔ بیسویں صدی میں ایک نئی صورت حال سامنے آئی کہ ایسے ہتھیار استعمال کیے جانے لگے جو بڑے پیمانے پر تباہی مچانے والے تھے اور جن سے بہت بڑی تعداد میں انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ پہلی جنگ عظیم (۱۸-۱۹۱۴ء) میں کیمیاوی اسلحہ کا استعمال کیا گیا، پھر جنگ عظیم دوم کے دوران میں نیوکلیائی اسلحہ کا تجربہ کیا گیا۔ امریکا نے اگست ۱۹۴۵ء میں جاپان کے دو شہروں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرائے، جس کے نتیجے میں ہیروشیما میں نوّے ہزار سے ایک لاکھ چھیاسٹھ ہزار کے درمیان اور ناگاساکی میں ساٹھ ہزار سے اسّی ہزار کے درمیان انسانی جانیں ضائع ہوئیں۔ ان میں سے نصف تعداد بم گرائے جانے کے پہلے ہی دن ہلاک ہوگئی تھی۔

ایسے ہتھیار، جن سے بڑے پیمانے پر تباہی مچتی ہے، ان کے لیے ایک نئی اصطلاح وضع کی گئی۔ وہ ہے: WEAPONS OF MASS DESTRUCTION (WMD) تاریخی طور پر بیان کیا گیا ہے کہ اس اصطلاح کا استعمال سب سے پہلے ۱۹۳۷ء میں Canterbury کے ایک آرک بشپ نے کیا۔ اس کے بعد دھیرے دھیرے یہ ایک مقبول اصطلاح بن گئی۔ اس سے مراد وہ اسلحہ ہیں جو انسانوں اور دیگر جان داروں کی بڑی تعداد کو ہلاک کردیں، یا شدید نقصان پہنچائیں اور انسانی تعمیرات اور قدرتی اسٹرکچرس کو تباہ و برباد کریں۔ ان میں تین طرح کے اسلحے شامل ہیں: جوہری (NUCLEAR) کیمیاوی (CHEMICAL) اور حیاتیاتی (BIOLOGICAL)۔ ان اسلحہ کی تباہ کاری کو دیکھتے ہوئے

عالمی سطح پر عام بیداری پیدا کرنے کی کوشش کی گئی، بین الاقوامی تنظیموں کے ذریعے ان کی تیاری اور استعمال پر پابندی عائد کرنے کے معاہدے مرتب کیے گئے اور سب ہی ممالک پر زور دیا گیا کہ وہ ان پر دستخط کریں۔ ان معاہدوں میں سے چند یہ ہیں:

- Partial Test Ban treaty (PTBT)
- Outer Space Treaty (OST)
- Nuclear Non-Proliferation Treaty (NPT)
- Comprehensive Test Ban Treaty (CTBT)

میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی سطح پر بھی اس موضوع کا خوب چرچا ہوا۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ۲۰۰۲ء میں امریکا میں ہوئے ایک سروے کے مطابق WEAPONS OF MASS DESTRUCTION سب سے زیادہ استعمال ہونے والے الفاظ تھے۔

مسئلے کا سیاسی پہلو

اس مسئلے کا ایک پہلو سیاسی ہے۔ دنیا کے آٹھ ممالک نیوکلیائی اسلحہ رکھتے ہیں: امریکا، فرانس، برطانیہ، چین، شمالی کوریا، روس، ہندوستان اور پاکستان۔ عسکری تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اسرائیل کے پاس بھی نیوکلیائی اسلحے ہیں، لیکن وہ کھلے الفاظ میں نہ اس کا اقرار کرتا ہے نہ انکار۔ اب اس بات کی کوشش ہورہی ہے اور امریکہ اس میں پیش پیش ہے کہ مزید کوئی ملک نیوکلیائی صلاحیت نہ حاصل کرنے پائے۔ گزشتہ صدی میں نوّے کی دہائی میں عراق پر الزام عائد کیا گیا کہ وہ عام تباہی کے اسلحہ رکھتا ہے، پورا ملک کھنگال ڈالا گیا، مگر یہ اسلحہ نہیں ملے، اسی الزام کے تحت ۲۰۰۳ء میں عراق پر حملہ کرکے اسے تہس نہس کردیا گیا۔ اب یہی الزام ایران کے سلسلے میں بھی دوہرایا جارہا ہے۔ ایران صاف الفاظ میں اس سے انکار کرتا ہے، مگر کوتوال ہے کہ مان کر نہیں دے رہا ہے۔ القاعدہ کے بارے میں وقتاً فوقتاً یہ شوشہ چھوڑا جاتا ہے کہ وہ نیوکلیائی اسلحہ کے حصول کے لیے کوشاں ہے۔ غرض یہ اصطلاح WEAPONS OF

MASS DESTRUCTION اس حیثیت سے بھی کافی مقبول ہوگئی ہے کہ جس پر چاہے اس کا الزام لگادیا جائے اور اس کے بہانے اس پر جو پابندیاں چاہیں عائد کردی جائیں۔ ۲۰۰۳ء میں امریکا میں Lake Superior State University نے اصطلاحات کی ایک فہرست شائع کی اور بتایا کہ ان میں سب سے زیادہ misuse اور overuse اسی اصطلاح کا ہوا ہے۔

لیکن اس وقت ہم اس مسئلے کے سیاسی پہلو پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتے، صرف علمی حیثیت سے اس پر بحث کرنا اور اسلامی نقطۂ نظر واضح کرنا چاہتے ہیں۔

اسلام کی چند اصولی تعلیمات

زیر بحث موضوع پر آنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی چند اصولی تعلیمات بیان کردی جائیں، جن کا اس موضوع سے گہرا تعلق ہے:

(۱) اسلام جنگ کے مقابلے میں امن کو اوّلیت دیتا ہے، لیکن جب جنگ ناگزیر ہوجائے تو اس سے پہلوتہی بھی نہیں کرتا۔ جنگ کے دوران میں وہ مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان فرق کرتا ہے۔ مقاتلین سے مراد وہ لوگ ہیں جو جنگ میں عملاً حصہ لیتے ہیں، یا حصہ لینے کی قدرت رکھتے ہیں یعنی جوان مرد اور غیر مقاتلین سے وہ لوگ مراد ہیں جو عموماً جنگ میں حصہ نہیں لیتے، جیسے عورتیں، بچے، بوڑھے، بیمار، زخمی، خانقاہ نشیں، معبدوں کے پجاری وغیرہ۔ جنگ کے دوران میں اسلام مقاتلین کو قتل کرنے کی اجازت دیتا ہے، جب کہ غیر مقاتلین کو قتل کرنے سے روکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا۔[۲] ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس موقع پر آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی''۔ پھر فوج کے سپہ سالار حضرت خالد بن الولیدؓ کو بلا کر سختی سے تاکید کی:

لَاتَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَاعَسِيفاً۔[۳] عورت، بچے اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرو۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

لاتقتلوا شیخاً فانیاً ولا طفلاً صغیراً ولا امرأۃً۔[۳] — نہ کسی بوڑھے ضعیف کو قتل کرو، نہ چھوٹے بچے کو نہ عورت کو۔

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آں حضرت ﷺ جب کہیں فوج بھیجتے تھے تو یہ ہدایت کرتے تھے:

لاتقتلوا الولدان و اصحاب الصوامع۔[۴] — بچوں اور خانقاہ نشینوں کو قتل نہ کرو۔

(۲) اسلام امن کا علم بردار ہے۔ وہ کسی کے خلاف جارحیت کو پسند نہیں کرتا، لیکن اگر کوئی جارحیت کا مظاہرہ کرے تو اسے برداشت کرنے کی بھی تعلیم نہیں دیتا۔ مشرکینِ مکہ نے مسلمانوں کے خلاف جنگ برپا کی تو مسلمانوں کو ان کا جواب دینے اور ان سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی:

وَقَاتِلُواْ فِیْ سَبِیْلِ اللّہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُونَکُمْ وَلاَ تَعْتَدُواْ إِنَّ اللّہَ لاَ یُحِبِّ الْمُعْتَدِیْنَ ۔ (البقرۃ:۱۹۰) — لڑو اللہ کی راہ میں ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی نہ کرو، اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

أُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَتَلُونَ بِأَنَّھُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّہَ عَلَی نَصْرِھِمْ لَقَدِیْرٌ. الَّذِیْنَ أُخْرِجُوا مِن دِیَارِھِم بِغَیْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن یَقُولُوا رَبُّنَا اللَّہُ ۔ (الحج:۳۹-۴۰) — اجازت دے دی گئی (جنگ کی) ان لوگوں کو جن کے خلاف جنگ کی جارہی ہے، کیوں کہ وہ مظلوم ہیں اور اللہ یقیناً ان کی مدد پر قادر ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکال دیے گئے، صرف اس قصور پر کہ وہ کہتے تھے ''ہمارا رب اللہ ہے''۔

فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُواْ عَلَیْہِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۔(البقرۃ:۱۹۴) — لہٰذا جو تم پر زیادتی کرے، تم بھی اس پر زیادتی کرو جتنی اس نے کی ہے۔

(۳) اسلام اپنی ریاست کو مضبوط اور مستحکم دیکھنا چاہتا ہے۔ اتنی مستحکم کہ اس کے دشمن اسے نرم چارہ نہ سمجھیں اور اس کی طرف غلط نظر اٹھا کر نہ دیکھیں۔ اسی لیے وہ مسلمانوں کو

حکم دیتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَأَعِدُّواْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَآخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لاَ تَعْلَمُونَهُمُ اللّهُ يَعْلَمُهُمْ۔(الانفال:۶۰)

اور تم لوگ جہاں تک تمھارا بس چلے، زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لیے مہیّا رکھو، تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعداء کو خوف زدہ کردو جنھیں تم نہیں جانتے، مگر اللہ جانتا ہے۔

اس آیت میں دو الفاظ قابلِ غور ہیں: ایک 'قوۃ'، جو نکرہ ہے اور نکرہ میں عموم پایا جاتا ہے، اس میں ہر طرح کی عسکری قوت شامل ہے۔ بہ طور مثال آیت میں گھوڑوں کا تذکرہ ہے، جو زمانۂ نزول قرآن میں عسکری طاقت کا ایک مظہر تھے اور حدیث میں اس کی تعبیر 'تیز اندازی' سے کی گئی ہے (الا إن القوۃ الرمی ۵) دوسرا لفظ 'ترھبون' ہے۔ اس کے ذریعے عسکری طاقت کے حصول کا مقصد بیان کردیا گیا، یعنی دشمن کو خوف زدہ کرنا۔ مفسّر ابوحیان نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

''اس کا مطلب یہ ہے کہ جب کفار کو معلوم ہوگا کہ تم نے جنگ کے لیے کتنی تیاری کر رکھی ہے، کتنی قوت جمع کر رکھی ہے اور کتنے گھوڑے مہیا کر رکھے ہیں تو وہ اپنے پڑوسی کافروں کو تمھاری جنگی تیاریوں کے بارے میں بتا کر خوف زدہ کردیں گے اور جب وہ تمھارے سلسلے میں اپنے پڑوسیوں کو خوف زدہ کردیں تو وہ خود تم سے اور زیادہ خوف زدہ رہیں گے''۔ ۶

اس آیت سے یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ عسکری تیاری کرنا اور اس کے لیے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنا اور اسلحہ فراہم کرنا جنگ بھڑکانے کے لیے نہیں ہے، بلکہ دشمن کو دست درازی سے روکنے کی ایک تدبیر ہے۔ اس کی ضرورت ہر زمانے میں محسوس کی گئی ہے اور آج بھی یہ تسلیم شدہ ہے۔ یہ انسانی قدروں اور اخلاقی اصولوں کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس ان کی پاس داری کی ایک موثر تدبیر ہے۔ یہ جنگ کا ماحول پیدا کرنے کے لیے نہیں ہے، بلکہ

جنگ نہ ہونے اور امن قائم رہنے کی ایک تدبیر کے طور پر ہے۔ علامہ رشید رضا نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

> ''یہاں بہ قدر استطاعت قوت اور گھوڑوں کی فراہمی کو اس سے خاص کر دیا گیا ہے کہ اس کا مقصد ان لوگوں کو خوف زدہ کرنا ہو جو علانیہ دشمن ہیں اور جو چھپے ہوئے اور گم نام دشمن ہیں اور جو آئندہ اہل ایمان کے دشمن بن کر سامنے آئیں گے۔ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ 'ارہاب' اس کے نزدیک جنگ کو روکنے کے لیے ہے، نہ کہ جنگ کی آگ بھڑکانے کے لیے۔ وہ کہتا ہے کہ تیار رہو، تاکہ دشمن تم سے خوف زدہ رہے، ممکن ہے اس طرح وہ تم پر حملہ کرنے سے باز رہے۔ یہ بعینہٖ وہی بات ہے جو آج کے ملکوں میں مسلح امن کے نام سے جانی جاتی ہے، جس کی بنیاد یہ ہے کہ ضعف درحقیقت طاقت ور کو کم زور پر دست درازی کی ترغیب دیتا ہے''۔[۷]

نئی صورت حال

عام تباہی کے اسلحہ کی ایجاد سے دنیا ایک نئی صورت حال سے دوچار ہوگئی ہے۔ ایک طرف ان کی خطرناکی اور ان کی وجہ سے بڑے پیمانے پر ہونے والی تباہی، انسانی جانوں کا ضیاع اور املاک کی بربادی ہے، جن کا دنیا تجربہ بھی کر چکی ہے، دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ان اسلحہ کو موجودہ دور میں طاقت وقوت کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ جو ممالک ایٹمی طاقت بن چکے ہیں انھیں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ انھوں نے جو ایٹمی اسلحے تیار کر رکھے ہیں ان سے وہ دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں، لیکن چاہتے ہیں اور اس کے لیے کوشاں بھی ہیں کہ کوئی دوسرا ملک وہ صلاحیت حاصل نہ کرنے پائے۔

اسلام نقطۂ نظر

عام تباہی مچانے والے اسلحہ کی تیاری اور ان کے استعمال کا مسئلہ مسلم امت کے

درمیان زیادہ بحث وگفتگو کا موضوع نہیں بنا ہے۔ زیادہ تر علماء، مفکرین اور دانش وروں نے اس پر خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ جن لوگوں نے اس پر کچھ لکھا ہے ان کی تحریریں بہت مختصر ہیں اور ان سے تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔

اس مسئلے پر علماء اور دانش وروں کے دو الگ الگ موقف پائے جاتے ہیں۔ کچھ حضرات ہیں جو موجودہ حالات میں عام تباہی کے اسلحہ کی تیاری کو جائز اور مسلم ممالک کے لیے ضروری قرار دیتے ہیں، تو کچھ دوسرے حضرات اس کے عدم جواز کی رائے دیتے ہیں۔ ذیل میں دونوں نقطہ ہائے نظر کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

جواز کے قائلین

موجودہ دور کے جن علماء کو اپنے علمی کام کی وجہ سے عالمی سطح پر اعتبار و استناد حاصل ہوا ہے، ان میں سے ایک ڈاکٹر وھبہ الزحیلی ہیں (ولادت ۱۹۳۲ء)۔ دمشق یونی ورسٹی میں فقہ کے استاد ہیں۔ اس موضوع پر انھوں نے اپنی دو تصانیف میں اظہار خیال کیا ہے۔ ایک آثار الحرب فی الفقه الاسلامی: دراسة مقارنة اور دوسری العلاقات الدولية فی الاسلام مقارنة بالقانون الدولی الحديث ہے۔ اپنی اول الذکر کتاب میں انھوں نے لکھا ہے:

''دو حالتیں ایسی ہیں جن میں ناگزیر طور پر غیر مقاتلین کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے۔ اس کی بنیاد یہ ہے کہ ناگزیر حالات میں ممنوعات بھی جائز ہوجاتی ہیں (الضرورات تبيح المحظورات) یہ دو حالتیں درج ذیل ہیں:

اول: حملۂ عام کی حالت (حالة الغارات)، اس کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل طائف کے خلاف منجنیق کا استعمال کیا تھا، حالاں کہ آپ جانتے تھے کہ ان میں عورتیں، بچے، بوڑھے اور دیگر معذورین بھی ہیں۔ یہ ناگزیر صورت حال ہے اور ایسے ناگزیر حالات میں وہ چیزیں جائز ہوجاتی ہیں جو عام حالات میں ممنوع ہوتی ہیں۔ یہ چیز جنگی قانون میں جائز ہے۔ زمینی جنگ کے قوانین اس رائے کی تائید کرتے ہیں جس پر عمل ہو رہا ہے۔

وہ یہ کہ کسی جگہ کا محاصرہ کرنے والی فوج کے لیے جائز ہے کہ وہ وہاں کی صرف تنصیبات پر حملہ نہ کرے، بلکہ رہائشی علاقوں کو بھی نشانہ بنائے، اس لیے کہ املاک کے نقصان، عمارتوں کے انہدام اور آبادی کی ہلاکت سے مدافعت کرنے والی فوج پر دباؤ پڑتا ہے اور وہ خود سپردگی پر آمادہ ہوجاتی ہے۔

دوم: غیر مقاتلین کو ڈھال بنالینے کی حالت (حالۃ التترس)۔ فقہاء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اگر مشرکین کچھ مسلمانوں کو ڈھال بنالیں تو ان کی پروا کیے بغیر دشمنوں پر حملہ جاری رکھنا جائز ہے۔ اس میں 'مصالح مرسلہ' کا اصول کارفرما ہے۔ اسے ان لوگوں نے بھی جائز قرار دیا ہے، جو اس اصول کو اختیار کرنے میں بہت محتاط ہیں، مثلاً امام غزالیؒ۔ انھوں نے شرط عائد کی ہے کہ مصلحت ناگزیر، قطعی اور کلی ہو تبھی اس کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے تترّس، یعنی غیر مقاتلین کو ڈھال بنالینے کی حالت۔ اس حالت میں ان کی پروا نہیں کی جائے گی، تاکہ دشمن کو کامیاب ہونے کا موقع نہ مل سکے''۔ ۸

مولانا سید جلال الدین عمری نے جنگ کے اسلامی آداب سے بحث کرتے ہوئے ابن قدامہ حنبلیؒ کے حوالہ سے فقہاء کا نقطۂ نظر یہ بیان کیا ہے کہ ''عورت، شیخ فانی، اپاہج، اندھے اور راہب پر میدان جنگ میں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔ ہاں اگر وہ جنگ میں براہ راست حصہ لیں یا معاونت کریں تو مارے جاسکتے ہیں۔ اگر دشمن ان کم زور طبقات کو ڈھال بنا کر، حتیٰ کہ مسلمانوں کو آگے کرکے کوئی جنگی چال چلنا چاہے تو اس کا جواب ضرور دیا جائے گا۔ اسی طرح عورتیں اور بچے وغیرہ کسی عمومی حملے کی زد میں آجائیں تو یہ جنگی مجبوری ہوگی۔ ۹

عورت کے بارے میں ہدایہ کے حوالہ سے کہا ہے کہ ''عورت باقاعدہ جنگ میں شریک نہ ہو، لیکن وہ قیادت کررہی ہو یا حملہ آور ہو تو اس کا جواب دیا جائے گا''۔ ۱۰

ایک دوسرے عالم دین شیخ محمد الغزالیؒ (م۱۹۹۶ء) ہیں۔ ان کا تعلق مصر سے ہے۔ الاخوان المسلمون کے رہ نماؤں میں سے تھے، بعد میں بعض وجوہ سے اس سے تعلق باقی نہیں رہا تھا۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔

۱۹۹۵ء میں جب نیوکلیائی اسلحہ کے عدمِ استعمال کے معاہدے Nuclear Non-Proli feration Treaty (NPT) پر دستخط کرنے کے لیے مختلف ممالک پر دباؤ ڈالا جارہا تھا، شیخ محمد الغزالیؒ نے یہ بیان جاری کیا:

''مصری حکومت کسی ایسے معاہدے پر کیسے دستخط کرسکتی ہے، جس میں ایسے اسلحہ پر پابندی لگائی گئی ہو جو اس کے پاس موجود ہی نہ ہوں۔ ایسے اسلحے اسرایل کے پاس ہیں، اس لیے اسے اس معاہدہ پر دستخط کرنا چاہیے اور اگر وہ دستخط نہ کرے تو بین الاقوامی سطح پر اس کا بائیکاٹ کیا جانا چاہیے۔ مسلم ممالک کو چاہیے کہ وہ نیوکلیائی صلاحیت حاصل کرنے اور اسے ترقی دینے کی کوشش کریں، تاکہ وہ اسرائیل پر سبقت لے جائیں، کیوں کہ اسرائیلی اسلحے مسلم ممالک کے لیے کھلا خطرہ ہیں''۔[۱۱]

تیسرے دانش ور، جنھوں نے نیوکلیائی اسلحوں کی تیاری کے جواز کی بات کہی ہے، پروفیسر خورشید احمد ہیں۔ موصوف جماعت اسلامی پاکستان کے نائب امیر اور پاکستان کی قومی اسمبلی (سینیٹ) کے رکن ہیں۔ ایک علمی ادارہ انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد کے چیرمین اور جماعت اسلامی پاکستان کے ترجمان ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور کے مدیر ہیں۔ موصوف نے اس موضوع پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، جس کا نام ہے: Capping the Nation: Pakistan's Security and the Nuclear Option۔ یہ اصلاً اس موضوع پر منعقدہ ایک سمینار میں پیش کیے گئے مقالات کا مجموعہ ہے۔

۱۹۹۸ء میں ہندوستان اور پاکستان کے ایٹمی تجربات کے کچھ عرصہ کے بعد پروفیسر خورشید احمد صاحب نے ترجمان القرآن میں ایک اداریہ لکھا تھا۔ اس کے کچھ منتخب حصے ذیل میں پیش کیے جارہے ہیں:

''ہم جوہری صلاحیت کے ابتدائی مرحلے میں ہیں۔ الحمدللہ ہم نے بنیادی صلاحیت حاصل بھی کرلی ہے اور اس کا کامیاب مظاہرہ بھی کردیا ہے، جس پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور ان تمام افراد اور اداروں کی خدمات کے

معترف ہیں جنھوں نے اس کارنامے کو انجام دینے میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔ لیکن ہمیں اس ناقابل تردید تاریخی حقیقت کو سامنے رکھنا چاہیے کہ جہاں اسلحہ کی دوڑ ایک خسارے کا سودا ہے اور محض تفاخر کی خاطر اس خطرناک کھیل میں ہرگز شریک نہیں ہونا چاہیے وہیں مقابلے کی قوت اور کم سے کم ضروری سدّ جارحیت (Minimum Credible Deterrent) قومی سلامتی کے تحفظ کے لیے ضروری ہیں۔ قوت اور سدِّ جارحیت کوئی جامد (Static) تصور نہیں، بلکہ حرکی (Dynamic) تصور ہے، جس کے لیے مدّ مقابل کی صلاحیت -حملہ کرنے کی اور حملہ سہنے کی- کو سامنے رکھ کر ضروری حدود کا تعین کیا جاتا ہے''۔۱۲

آگے مزید لکھتے ہیں:

''مغربی اقوام نے جدید ٹکنالوجی پر اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ضروری ہے کہ ہمیں نئی اور جدید ٹکنالوجی دیں اور ٹکنالوجی منتقل کرنے کی تمام طفل تسلّیوں کے باوجود جو راہیں ہم پر بند کر رکھی ہیں، بشمول ہمارے سائنس دانوں اور اعلیٰ درجے کے طالب علموں کے لیے مغربی درس گاہوں اور لیبارٹریوں کے دروازوں کو بند کرنے کے، وہ کھولیں۔ اس کے بغیر نیوکلیر امتیاز (Apartheid) کا جو ظالمانہ اور استبدادی نظام قائم کیا گیا ہے وہ انسانیت کو مستقل طور پر دو طبقوں میں بانٹ رکھے گا -ایٹمی قوت سے آراستہ، بالا دست اور غالب اقوام اور ایٹمی صلاحیت سے محروم ان کے باج گزار ممالک- کیا پاکستان اور امت مسلمہ اس ذلت کے مقام کو قبول کرنے کو تیار ہے؟ اور کیا یہ ہمارے ایمان، خیر امت اور شہداء علی الناس کے مقام سے کوئی بھی مناسبت رکھتا ہے''۔۱۳

ان آراء کے حاملین نے اگرچہ اپنی تائید میں بعض نصوص پیش کی ہیں، لیکن ان پر مقامی حالات کا دباؤ صاف محسوس ہوتا ہے۔

عدمِ جواز کے قائلین

جو مسلم دانش ور عام تباہی مچانے والے اسلحہ کی تیاری اور استعمال کے عدم جواز کی رائے رکھتے ہیں، ان میں سے دو حضرات کا تذکرہ یہاں کیا جا رہا ہے۔ ان میں سے ایک ڈاکٹر سہیل ہاشمی ہیں۔ ان کی کتاب Ethics and Weapons of Mass Destruction: Religious and Secular Perspective ۲۰۰۴ء میں نیویارک سے شائع ہوئی ہے۔ ۳۳۹ صفحات پر مشتمل یہ کتاب اصلاً مختلف اصحاب فکر کی تحریروں کا مجموعہ ہے۔ اس میں WMD کے بارے میں مختلف مذاہب کا نقطۂ نظر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر کی ترجمانی خود مرتب کتاب نے اپنے مضمون Islamic Ethics and Weapons of Mass Destruction: An Argument For Non-proliferation میں کی ہے۔

انھوں نے WMD کے بارے میں مسلم امت میں تین طرح کے نقطہ ہائے نظر رکھنے والوں کا تذکرہ کیا ہے۔ ایک طبقہ جواز کے قائلین کا ہے۔ اسے وہ WMD Jihadists کا نام دیتے ہیں۔ دوسرا طبقہ Muslim WMD Terrorists کا قرار دیتے ہیں اور القاعدہ اور اس کے سربراہ اسامہ بن لادن کو ان کا نمائندہ بتاتے ہیں۔ تیرا طبقہ عدم جواز کے قائلین کا ہے، جنھیں وہ Muslim WMD Pacifists کہتے ہیں۔ انھوں نے اپنی رائے موخر الذکر طبقہ کے حق میں دی ہے۔ اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

> ''مسلمانوں کو WMD کے حصول اور اس کے امکانی استعمال کو درج ذیل اسباب سے رد کر دینا چاہیے:
>
> ۱- نیوکلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحے مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔
>
> ۲- اگر ان کا استعمال صرف فوجی تنصیبات پر ہی کیا جائے تو بھی ہلاکتیں اتنے بھیانک طریقے سے ہوتی ہیں کہ وہ مقاتلین کے بارے میں اسلامی تعلیمات سے ٹکراتی ہیں۔

۳- ان سے طبعی ماحولیات پر برا اثر پڑتا ہے اور دیگر مخلوقات بھی ہلاک ہوتی ہیں۔قرآنی اصطلاح میں یہ فساد فی الارض ہے۔

۴- ان کا استعمال ایسے کاموں میں نہیں ہوسکتا، جن کا اخلاقی جواز موجود ہو، اس لیے ان کی تیاری پر آنے والے مصارف 'اسراف' کے دائرے میں آتے ہیں، جن سے قرآن وحدیث میں روکا گیا ہے''۔۱۴

اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے انھوں نے آخر میں لکھا ہے:

''اگر مسلمان اسلامی اخلاقیات پر عمل کریں تو میرا خیال ہے کہ وہ WMD کے کسی استعمال کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے۔اگر WMD جنگ میں استعمال کے لیے نہ ہوں تو محض مزاحمت و مدافعت (یا قومی وقار) کے لیے، اخلاقی، اقتصادی اور عسکری کسی اعتبار سے ان کی تیاری کا جواز نہیں بنتا''۔۱۵

ایک دوسرے دانش ور ڈاکٹر محمد نجات اللہ صدیقی ہیں، جو اپنی تصنیفات اور علمی کاموں کی وجہ سے عالم اسلام کی معروف شخصیت ہیں۔کچھ عرصہ قبل 'مقاصد شریعت' کے عنوان سے آپ کی تصنیف منظر عام پر آئی ہے۔اس کی بعض آراء سے اہل علم نے اختلاف کیا ہے، اس سے قطع نظر اس کتاب میں آپ نے زیر بحث موضوع پر بھی اظہار خیال کیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ مقاصدِ شریعت کی روایتی فہرست میں کچھ اور موضوعات کا اضافہ کیا جائے، جو موجودہ دور میں بہت اہمیت اختیار کر گئے ہیں، ان میں سے ایک عام تباہی مچانے والے اسلحہ کا مسئلہ بھی ہے۔اپنی بحث کے آغاز میں انھوں نے لکھا ہے:

''اس بارہ میں دو رائے نہیں ہونی چاہیے کہ عام تباہی مچانے والے ہتھیار، جو محارب اور غیر محارب میں تمیز نہ کرسکتے ہیں، نہ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور معذوروں کو مستثنیٰ رکھ سکتے ہوں، بلکہ اس سے آگے بڑھ کر جن سے تباہ کن اثرات موجودہ نسل کے بعد بھی کئی نسلوں تک اور جس علاقہ میں ان کو استعمال کیا جائے اس سے دوٗر دوٗر تک کے علاقوں تک پھیل جاتے ہیں،

ایسے ہتھیاروں کا استعمال فساد فی الارض میں داخل ہے۔ فساد فی الارض کو دوٗر کرنا مقاصدِ شریعت میں سے ہے۔ چنانچہ نیوکلیائی، کیمیاوی اور حیاتیاتی اسلحوں کے بنانے پر اور ان کی خرید و فروخت نیز ان کے استعمال پر پابندی ہونی چاہیے۔ شریعت کی اصطلاح میں ان اسلحہ کو بنانا، ان کی خرید و فروخت اور ان کا استعمال حرام قرار پایا جانا چاہیے اور یہ حرمت غیر مشروط ہونی چاہیے۔ کوئی ایسی صورت متصور نہیں، جس میں فساد فی الارض جائز ہو''۔ [۱۶]

ڈاکٹر صاحب عام تباہی مچانے والے اسلحہ کے خلاف اس وجہ سے بھی ہیں کہ ان کے بنانے، محفوظ رکھنے اور استعمال کرنے کے لیے خود کو ہر آن مستعد رکھنے پر کثیر مادی وسائل کے علاوہ ملک کی بہترین افرادی طاقت، اعلیٰ ترین علمی صلاحیتوں اور سب سے زیادہ وفادار، قابل بھروسہ اسٹاف کی خدمات درکار ہوتی ہیں، ان کی دیکھ ریکھ میں اتفاقی فروگزاشت اور اس کے نتیجے میں حادثوں کا بھی امکان موجود ہے اور ان سب پر مستزاد یہ کہ اگر اس کام کو اولیت دی جائے تو دیگر مشترکہ انسانی مسائل کے حل کے لیے نہ مادی وسائل بچیں گے نہ افرادی طاقت اور اعلیٰ صلاحیتیں خالی ملیں گی۔ لیکن ان کا اصل استدلال یہ ہے کہ یہ مسئلہ اسلامی قدروں اور اصولوں سے مغایر ہے۔ انھوں نے اپنے موقف کے حق میں قرآن کریم سے دو نصوص پیش کیے ہیں۔ ایک سورۂ مائدہ کی آیات: ۲۷-۳۲، جن میں آدم کے دو بیٹوں کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، کہ ایک کی جارحیت کا دوسرے نے جواب نہیں دیا، بلکہ اعلان کر دیا کہ اگر تو مجھے قتل کر دے گا تو بھی میں تجھے قتل کرنے کے لیے ہاتھ نہیں اٹھاؤں گا۔ دوسری سورۂ حم السجدہ کی درج ذیل آیت ہے:

وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ حَمِيمٌ ۔(آیت:۳۴)	اور (اے نبی) نیکی اور بدی یکساں نہیں ہیں، تم بدی کو اس نیکی سے دفع کرو جو بہترین ہو۔ تم دیکھو گے کہ تمھارے ساتھ جس کی عداوت پڑی ہوئی تھی وہ جگری دوست بن گیا۔

آگے انھوں نے اس موقف پر وارد ہونے والے ممکنہ اعتراضات کا جواب بھی دیا

ہے۔اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- یہ بات درست نہیں کہ یہ آیات انفرادی جارحیت سے متعلق ہیں۔ سیاقِ کلام کا تقاضا ہے کہ ان سے مسلمانوں کو ان کے اجتماعی سلوک میں اصول پسندی سکھانا مقصود ہو۔

۲- یہ خیال غیر حقیقت پسندانہ ہے کہ اگر مسلمانوں نے یہ موقف اختیار کیا تو وہ دشمنوں کے لیے لقمۂ تر بن جائیں گے۔ کوئی بھی ایٹمی طاقت انہیں ڈرا دھمکا کر ان سے اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کروالے گی، یا بہ صورت دیگر صفحۂ ہستی سے نابود کردے گی۔ کیوں کہ آج کی دنیا میں کوئی ایک ملک اتنا طاقت ور نہیں کہ دوسرے ملکوں کو ساتھ لیے بغیر اپنی مرضی چلا سکے۔

۳- یہ خطرہ مبالغہ آمیز ہے کہ مسلمانوں کے یہ موقف اختیار کرنے کے نتیجے میں اندیشہ ہے کہ ان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹ جائے اور دینِ اسلام کا کوئی نام لیوا نہ رہ جائے، کیوں کہ آج مسلمانوں کی ایک معتدبہ تعداد ان ملکوں میں بھی بستی ہے جو ایٹمی طاقت اور دوسرے تباہ کن اسلحہ سے لیس ہیں۔

۴- اس مسئلہ پر مصالح اور مفاسد، فوائد اور نقصانات کا موازنہ کیا جائے تو فساد عام برپا کرنے والے اسلحہ کے بنانے، رکھنے اور ممکنہ استعمال کے نقصانات کا پلّہ بہت بھاری ہے، اتنا بھاری کہ اس سے متوقع فوائد اس کے مقابلہ میں ہیچ ہیں۔[۱۷]

تجزیہ ومحاکمہ

اس مسئلے پر دونوں فریقوں کے موقف اور ان کے دلائل پر ایک نظر ڈالنے سے بہ خوبی واضح ہوجاتا ہے کہ مسئلہ بڑا پیچیدہ اور نازک ہے، اس لیے اس کے سلسلے میں کوئی حتمی رائے قائم کرنے سے قبل اس کے تمام پہلوؤں کو نظر میں رکھنا ضروری ہے۔ غور وفکر کے لیے چند نکات پیشِ خدمت ہیں:

۱- اسلام نے انسانی جان کی حفاظت پر غیر معمولی زور دیا ہے۔ اس کا شمار مقاصد شریعت میں کیا گیا ہے۔ کسی بے قصور کی جان لینا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے۔ جب کہ

عام تباہی کے اسلحے بڑی تعداد میں بے قصوروں کی جانیں ضائع ہونے کا موجب بنتے ہیں۔

۲- اسلام نے جنگ کے دوران مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان فرق کیا ہے۔ان اسلحہ کے استعمال کی صورت میں یہ فرق کسی بھی صورت میں ملحوظ نہیں رکھا جا سکتا۔

۳- دنیا کا دستور ہے کہ طاقت ور دوسروں کی جارحیت سے محفوظ رہتا ہے۔اسی لیے مسلمانوں کو طاقت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔پھر موجودہ صورت حال میں طاقت کا حصول کیوں کر ممکن ہے؟

۴- اسلام مسلمانوں کو اس مقام پر دیکھنا چاہتا ہے کہ ان کے دشمن ان سے خوف زدہ رہیں اور ان کے بارے میں کوئی جارحیت کرنے سے قبل ہزار بار سوچیں۔مسلمان اس مقام تک کیسے پہنچ سکتے ہیں؟

۵- ایک طرف قرآن وسنت کے وہ نصوص ہیں جن میں برائی کا جواب بھلائی سے دینے اور جارحیت کے جواب میں خود سپردگی اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے، دوسری طرف ایسے نصوص بھی ہیں جن میں جارحیت کا اسی انداز سے جواب دینے اور مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔دونوں میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

۶- دنیا کے ہر قانون میں اصولی احکام کے ساتھ استثنائی صورتیں بھی ہوتی ہیں۔ زیر بحث مسئلہ میں اسلام کے اصولی موقف کے ساتھ محاصرۂ طائف کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے منجنیق استعمال کرنے کی استثنائی مثال بھی موجود ہے۔

۷- اگر مقاصد شریعت میں شامل چیزوں کے درمیان تعارض ہو رہا ہو تو ان میں سے کسی کو ترجیح دینے کی کیا بنیاد ہوگی؟ زیر بحث مسئلے میں مسلمان طاقت ور رہیں اور اسلام غالب ہو، یہ بھی شریعت کا مقصد ہے اور دنیا کو عام تباہی مچانے والے ہتھیاروں سے محفوظ رکھنا بھی شریعت کا مقصد ہے۔دونوں میں تعارض کی صورت میں کس کو ترجیح دی جائے؟

مؤتمر العالم الاسلامی کی قرارداد

مارچ ۱۹۸۴ء میں مؤتمر العالم الاسلامی کے زیر اہتمام کراچی یونی ورسٹی پاکستان

میں ایک بین الاقوامی سمینار منعقد کیا گیا تھا، جس کا موضوع تھا: Nuclear Arms Race and Nuclear Disarmament: The Muslim Perspective۔ اس موقع پر شرکائے سمینار کی جانب سے جو قرار دادیں منظور کی گئی تھیں، انہی پر اس گفتگو کو ختم کیا جاتا ہے۔

۱- اسلام کی تعلیمات، جو قرآن وسنت میں بیان کی گئی ہیں، مسلمانوں کو حکم دیتی ہیں کہ وہ غیر مشروط طریقے پر ہلاکت کے وحشیانہ اسلحہ کے کسی بھی طرح کے استعمال کی مخالفت کریں، اس لیے کہ اسلام میں بلا کسی تفریق کے انسانوں کی جانوں اور املاک کی بربادی کی گنجائش نہیں ہے۔

۲- جو ممالک نیوکلیائی اسلحہ رکھتے ہیں ان کی خلاقی ذمہ داری ہے کہ ان سے دست بردار ہو جائیں۔

۳- نیوکلیائی اسلحہ کی تیاری کی تمام صورتیں موقوف کردی جائیں۔ جو اسلحہ تیار شدہ ہوں انھیں بہ تدریج ضائع کر دیا جائے اور موجودہ نیوکلیائی مادوں کو پر امن کاموں میں استعمال کیا جائے۔

۴- یہ بیداری لانے کی بھرپور کوشش کی جائے کہ جو وسائل نیوکلیائی اسلحہ کی تیاری میں صرف ہوتے ہیں انھیں بھکمری، بیماری، جہالت اور غربت، جن سے عالم انسانیت کا بڑا حصہ، خاص طور پر تیسری دنیا کے ممالک دو چار ہیں، ان کو دور کرنے میں صرف کیا جائے۔

۵- افریقہ، مشرق وسطیٰ اور جنوبی ایشیا میں نیوکلیر فری زون قائم کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔[۱۸]

حواشی ومراجع

۱ صحیح بخاری، کتاب الجہاد، باب قتل الصبیان فی الحرب، باب قتل النساء فی الحرب، ۳۰۱۴، ۳۰۱۵، صحیح مسلم، کتاب الجہاد، ۱۷۴۴

۲ سنن ابن ماجہ، ابواب الجہاد، باب الغارۃ والبیات وقتل النساء والصبیان، ۲۸۴۲

۳ سنن ابوداؤد، کتاب الجہاد، باب فی دعاء المشرکین، ۲۶۱۴، ضعفہ الالبانی

۴؎ مسند احمد، ۱/۱۰۰۔ اس موضوع پر اسلامی تعلیمات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو مولانا سید جلال الدین عمری کی کتاب 'غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق'، ص ۲۱۲-۲۱۶، بہ عنوان جنگ کے آداب، طبع سوم ۲۰۰۷ء، ناشر مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

۵؎ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب فضل الرمی والحث علیہ، ۱۹۱۷

۶؎ ابو حیان الاندلسی، البحر المحیط، دار الکتب العلمیۃ، بیروت، ۱۹۹۳ء، ۴/۵۰۸

۷؎ محمد رشید رضا، تفسیر المنار، دار المنار قاہرہ، ۱۹۴۷ء، ۱۰/۷۵

۸؎ ڈاکٹر وہبۃ الزحیلی، آثار الحرب فی الفقہ الاسلامی، دار الفکر دمشق، ۱۹۹۲ء، ص ۵۰۶-۵۰۷

۹؎ مولانا سید جلال الدین عمری، غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ص ۲۱۵-۲۱۱

۱۰؎ حوالہ سابق، ص ۲۱۳

۱۱؎ بہ حوالہ سہیل ہاشمی، ص ۳۴۵

۱۲؎ ماہ نامہ ترجمان القرآن لاہور، دسمبر ۱۹۹۸ء، اشارات بہ عنوان 'ایٹمی صلاحیت اور قرضوں کا بوجھ'، ص ۸-۹

۱۳؎ حوالہ سابق، ص ۱۰-۱۱

۱۴؎ سہیل ہاشمی، اتھکس اینڈ وپین آف ماس ڈسٹرکشن، کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۴ء، ص ۳۲۳-۳۲۴

۱۵؎ سہیل ہاشمی، حوالہ سابق، ص ۳۴۶

۱۶؎ پروفیسر محمد نجات اللہ صدیقی، مقاصدِ شریعت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۲۹۳-۲۹۴

۱۷؎ حوالہ سابق، ص ۲۹۸-۳۰۱ (تلخیص)

۱۸؎ سہیل ہاشمی، حوالہ سابق، ص ۳۴۴

☆☆☆

ادارۂ تحقیق و تصنیفِ اسلامی کی چند اردو مطبوعات

	کتاب	مصنف	صفحات	قیمت
۱	معرکۂ اسلام و جاہلیت	مولانا صدرالدین اصلاحی	۱۳۷	۹۰
۲	مذہب کا اسلامی تصور	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۵۹۱	۱۰۰
۳	مشترکہ خاندانی نظام اور نظریہ اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۰۲	۴۰
۴	وحدتِ ادیان کا نظریہ اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۹۲	۴۰
۵	آزادیٔ فکر و نظر اور اسلام	مولانا سلطان احمد اصلاحی	۱۲۸	۴۰
۶	قرآن، اہلِ کتاب اور مسلمان	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۹۶	۷۰
۷	حضرت ابراہیم علیہ السلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲۰۰	۵۰
۸	اہلِ مذاہب کو قرآن کی دعوت	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۸۴	۴۵
۹	کفر اور کافر قرآن کی روشنی میں	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۰	۲۰
۱۰	جرائم اور اسلام	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲۲۴	۵۰
۱۱	مسلمانوں کی حقیقی تصویر	مولانا محمد جرجیس کریمی	۱۶۴	۵۵
۱۲	عہدِ نبوی کا نظامِ حکومت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۱۳۶	۳۰
۱۳	شئیر بازار میں سرمایہ کاری	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۱۵۶	۴۵

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳، علی گڑھ-۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵

سیر وسوانح

امام ابن ابی حاتمؒ اوران کی کتاب العلل

——————— ڈاکٹر حافظ محمد شریف شاکر

نام ونسب اور ولادت

امام ابن ابی حاتمؒ کا نام ونسب امام ذہبیؒ نے یوں بیان کیا ہے:

''الامام الحافظ الناقد شیخ الاسلام ابو محمد عبدالرحمٰن بن الحافظ الکبیر ابی حاتم محمد بن ادریس بن منذر التمیمی الحنظلی الرازی۔''

آپ کی ولادت ۲۴۰ھ/۸۵۴ء میں ہوئی۔[۱]

تعلیم وتربیت

آپ نے ابتدائی عمر ہی میں حصول علم کے لیے اپنے والد کی معیت میں سفر اختیار کیا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ میں نے سن بلوغت کو پہنچنے سے پہلے ہی اپنے والد کے ساتھ ۲۰۰ھ میں کوچ کیا اور ذوالحلیفہ پہنچنے پر پہلی مرتبہ مجھے احتلام ہوا۔ اسی سال میں نے محمد بن ابی عبدالرحمٰن المقرئ سے سماع کیا۔[۲]

وہ مزید فرماتے ہیں کہ جب تک میں نے فضل بن شاذان رازی سے قراءۃ القرآن کی تکمیل نہ کر لی اس وقت تک میرے والد نے مجھے کتابت حدیث میں مشغول نہ ہونے دیا۔[۳] خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ عبدالرحمان بن ابی حاتم نے پہلا سفر ۲۶۰ھ میں اپنے والد کی معیت میں کیا، پھر حج کی سعادت حاصل کی اور ۲۶۲ھ میں محمد بن حماد سے سماع کا شرف حاصل کیا۔ پھر آپ نے ۲۶۲ھ میں ہی سواحل سمندر اور شام ومصر کی طرف کوچ کیا۔ بعد ازاں ۲۶۴ھ میں اصبہان کا سفر کیا اور معروف محدّث یونس بن حبیب سے شرف لقاء

حاصل کیا۔[۴] حصول علم کے لیے انھوں نے حجاز، عراق، عجم، مصر، شام، جزیرہ اور جبال کے اسفار کیے اور وہاں کے علماء کبار سے سماع کیا۔[۵]

اساتذہ اور تلامذہ

آپ نے اپنے والد گرامی ابوحاتم محمد بن ادریس کے علاوہ ابن وارہ، ابوزرعہ، حسن بن عرفہ، احمد بن سنان القطان، ابوسعید الاشج اور یونس بن عبدالاعلیٰ سے سماع کیا۔[۶] علاوہ ازیں آپ کے اساتذہ میں علی بن منذر طریفی، محمد بن اسماعیل الاحمسی، حجاج بن الشاعر، محمد ابن حسان الازرق، محمد بن عبدالملک بن زنجویہ شامل ہیں۔[۷] علامہ ذہبی نے کچھ اور اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔ ان میں ابراہیم المزنی، ربیع بن سلیمان المؤذن، بحر بن نصر، سعدان بن نصر اور الرمادی قابل ذکر ہیں۔[۸]

جس طرح آپ کے اساتذہ میں بڑے بڑے محدثین گزرے ہیں، ایسے ہی آپ کے تلامذہ میں بھی بڑے محدثین شامل ہیں۔ چند تلامذہ کے اسماء گرامی کا ذکر کیا جاتا ہے: حسین بن علی حسینک التمیمی، ابوالشیخ علی بن عبدالعزیز بن مدرک، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن اسد الفقیہ، ابوعلی حمد بن عبداللہ الاصبہانی، ابراہیم بن محمد نصر آبادی اور علی بن محمد القصار۔[۹]

علم وفضل

آپ مختلف علوم خصوصاً معرفۃ الرجال میں بحر بے کراں کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ نے اس فن میں اپنے والد گرامی اور ابوزرعہ کا علم اخذ کیا۔[۱۰]

حافظ ذہبی نے آپ کا تذکرہ 'الحافظ الثبت' کے الفاظ سے کیا ہے۔ وہ مزید فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے علوم الروایۃ اور معرفۃ الفن کی جمع وتدوین کی۔ اس کا ثبوت آپ کی مشہور کتابوں، جیسے کتاب الجرح والتعدیل، التفسیر الکبیر اور کتاب العلل سے ملتا ہے۔[۱۱]

زہد وعبادت

آپ کے زہد وعبادت کے بارے کتبِ سوانح میں بہت سی معلومات ملتی ہیں۔

ابوعبداللہ قزوینی فرماتے ہیں کہ جب تم ابن ابی حاتم کے پیچھے نماز پڑھنے کھڑے ہوجاؤ تو خود کو ان کے سپرد کردو، جیسے وہ چاہیں کریں۔۱۲

مزید فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم ابن ابی حاتم کے مرض الموت میں ان کے ہاں اندھیرے میں داخل ہوئے تو ہم نے انہیں کھڑے ہوکر نماز پڑھتے دیکھا۔ انہوں نے طویل رکوع کیا۔۱۳

حسنین بن احمد صفار فرماتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمان بن ابی حاتم سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ایک دفعہ ہمارے ہاں خوب مہنگائی ہوئی۔ ہمارے کسی ساتھی نے اصبہان سے غلہ بھیجا اور اسے بیچ کر مکان خریدنے کو کہا، تاکہ وہ آیا کرے تو وہاں قیام کیا کرے۔ میں نے وہ غلہ بیس ہزار میں فروخت کر دیا اور یہ رقم فقراء میں تقسیم کر دی۔ اور دوست کو لکھ دیا کہ میں نے تمہارے لئے جنت میں ایک محل خرید لیا ہے۔۱۴

آپ بڑے عابد و زاہد تھے۔ ایک دفعہ آپ نے نماز پڑھائی تو آپ کے مقتدین میں سے ایک شخص بولا: آپ نے تو خوب لمبی نماز پڑھائی ہے۔ میں نے آپ کے پیچھے ستّر دفعہ تسبیح پڑھی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! میں نے تو صرف تین تسبیحات پڑھی ہیں۔۱۵

وفات

ابن ابی حاتمؒ محرم ۳۲۷ھ میں اسّی سال سے زائد عمر پا کر دنیا سے رخصت ہوئے۔۱۶

تالیفات

۱۔ **تفسیر القُرآن:** آپ کی تفسیر القرآن کئی جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس میں عام طور پر آثارِ مسندہ ذکر کیے گئے ہیں۔۱۷

فُواد سیزگین نے اس کے مخطوطات: قاہرہ، ایاصوفیہ اور ظاھریہ میں ہونے کی نشان دہی کی ہے۔۱۸

یہ تفسیر چار جلدوں میں شائع شدہ ہے۔

۲۔ **کتاب الردّ علی الجهمیة:** اس کے اقتباسات **الفتاوی الحمویة الکبریٰ** لابنِ تیمیة میں ملتے ہیں۔۱۹

حافظ ابن حجر ابن ابی حاتم کے تذکرہ میں فرماتے ہیں: ''لہ' **مصنف کبیر فی الردّ علی الجهمیة**''۲۰ (جہمیہ کے رد میں ان کی ایک ضخیم تصنیف ہے)

اس تصنیف کا ذکر علامہ الکتانی اور امام ذہبی نے بھی کیا ہے۔۲۱

۳۔ **کتاب الجرح و التعدیل:** امام ذہبی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔۲۲

فؤاد سیزگین نے اس کے بہت سے مخطوطات کی نشان دہی کی ہے۔ یہ کتاب آٹھ جلدوں میں حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوئی ہے۔۲۳

۴۔ **کتاب المراسیل:** علامہ الکتانی اور خیرالدین الزرکلی نے اس کا ذکر کیا ہے۔۲۴

اس کا مخطوطہ کوپریلی ۲/۴۰ (بحوالہ **فهرست معهد المخطوطات العربیة**) میں اور **السعیدیه** حیدرآباد میں (نمبر۳۵۲) موجود ہے۔ آٹھویں صدی ہجری کا مخطوطہ ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد سے ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء میں طبع ہوئی ہے۔۲۵

۵۔ **بیان خطأ ابی عبداللّٰه محمد بن اسماعیل البخاری فی تاریخه:**

خیرالدین الزرکلی نے اس کا تذکرہ کیا ہے۔۲۶ یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد سے طبع ہوئی ہے۔ فؤاد سیزگین اس کتاب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ کتاب حروف معجم کی ترتیب سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کا مخطوطہ سرائے سلطان احمد الثالث ۱۴/۶۲۴ (بحوالہ **فهرست معهد المخطوطات العربیة** ۲ (نمبر۵۹۵) میں موجود ہے، جو ۲۵ اوراق پر مشتمل ہے، ۶۲۸ھ کا تحریر کردہ ہے۔ اسی مکتبہ میں ایک مخطوطہ بعنوان ''**تتمة بیان خطأ البخاری**.....الخ بھی موجود ہے۔ یہ کتاب حیدرآباد (دکن) سے ۱۹۴۱ء میں طبع ہو چکی ہے۔۲۷

۶۔ **زهد الثمانیة من التابعین:** اس کتاب میں آٹھ تابعین کے حالات بیان کیے گئے ہیں۔ وہ تابعین یہ ہیں: (۱) عامر بن عبداللہ (۲) اویس قرنی (۳) ہرم بن حیان

(۴) ربیع بن خثیم (۵) ابومسلم خولانی (۶) اسود بن یزید (۷) مسروق بن اَجدَع (۸) حسن بصری۔ اس کتاب کا چھٹی صدی ہجری کا مخطوطہ (بحوالہ ''العش ۲۷۷'') **الظاھریة (مجموع ۱۱)** میں موجود ہے۔۲۸

حافظ ذہبی نے بھی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔۲۹

۷۔ **حدیث**: اس کتاب کا چھٹی صدی ہجری کا تحریر کردہ مخطوطہ **الظاھریة (مجموع ۸/۴۱)** میں موجود ہے۔۳۰

۸۔ ''**المُسْنَدُ**'': اس کا ذکر الکتانی ۳۱ نے کیا ہے اور بقول ذہبی حافظ ابن مندہ نے اس کے ایک ہزار اجزاء بتائے ہیں۔۳۲

۹۔ **کتابُ الکُنٰی**: اس کا ذکر حافظ ذہبی اور الکتانی نے کیا ہے۔۳۳

۱۰۔ **اصلُ السُنَّة و اعتِقادُ الدین**: یہ اصلاً ابن ابی حاتم سے اپنے والد گرامی ابوحاتم اور استاد ابوزرعہ الرازی سے کیے گئے سوالات اور ان حضرات کے جوابات پر مشتمل مجموعہ ہے۔اس کا چھٹی صدی ہجری کا مخطوطہ دارالکتب الظاھریہ مجموع ۱۱ میں موجود ہے۔۳۴

۱۱۔ **کتابُ الفوائد الکبیر**:

۱۲۔ **فوائدُ اھلِ الرَّیِّ**:

درج بالا دونوں کتابوں کا ذکر حافظ ذہبی نے کیا ہے۔۳۵

۱۳۔ **آداب الشافعی و مناقبہ**: یہ کتاب مخطوطہ کی شکل میں مکتبہ احمد یہ حلب ۶۶۴ میں (بحوالہ فہرست **معھد المخطوطات العربیة** نمبر ۵۶۸) محفوظ ہے۔۶۵ ورق پر مشتمل ہے۔شیخ عبدالغنی عبدالخالق نے ۱۹۵۳ء میں اسے القاہرہ سے شائع کیا ہے۔۳۶

۱۴۔ **العلل**: اس کا پورا نام **علل الحدیث و بیان ما وقع من الخطأ والخلل فی بعض طرق الحدیث المرویة و فی السنن النبویة** ہے۔۳۷ فؤاد سیزگین نے **فھرست معھد المخطوطات العربیة** ۱/۱۷۸ کے حوالہ سے مکتبہ فیض ۴۹۸، اور سرائے سلطان احمد الثالث ۵۳۱ میں اس کتاب کے مخطوطات کی موجودگی کی نشان دہی کی ہے۔ نیز **القاھرة ثان** ۱/۱۳۱ نمبر ۸۰۸ حدیث کے تحت اور تشستر بیتی ۳۵۱۶ میں اس کے مخطوطات کا

پتا لگایا ہے نیز قاہرہ کے دارالکتب میں نمبر۱۹۴۸۳ب کے تحت بحوالہ القاھرہ، ملحق ۲/۱۳۷ اس کا ذکر کیا ہے۔ یہ کتاب قاہرہ سے ۱۹۲۹ء میں دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔[۳۸]

اس کتاب کا جو نسخہ راقم سطور کے زیر مطالعہ ہے وہ بھی محبّ الدین خطیب کی نگرانی میں المطبعۃ السلفیۃ، مصر سے ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۴ء میں طبع ہوا ہے۔ یہ بھی دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ اس کی فہرستیں ڈاکٹر یوسف المرعشلی نے فہارس علل حدیث کے نام سے تیار کی ہیں۔ یہ ۲۷۹ صفحات پر مشتمل ہے اور دار الباز، عباس احمد الباز مکۃ المکرّمۃ سے جمادی الاولیٰ ۱۴۰۴ھ/ جنوری ۱۹۸۶ء میں چھپی ہے۔ اس کتاب کا ایک محقق نسخہ ڈاکٹر سعد بن عبداللہ الحمید اور ڈاکٹر خالد بن عبدالرحمان الجریسي کی تحقیق کے ساتھ، مکتبۃ الملک فھد الوطنیۃ سے محرم ۱۴۲۷ھ/ فروری ۲۰۰۶ء میں چھپا ہے۔ یہ نسخہ فہارس سمیت ۲۱۶۵ صفحات پر مشتمل ہے اور یک جا مجلد ہے۔ اور اس کی فہارس ۳۳۲ صفحات پر محیط ہیں۔ ایک اور نسخہ ڈاکٹر رفعت فوزی عبدالمطلب اور ڈاکٹر علی عبدالباسط مزید کی تحقیق وتخریج سے مزین ہے۔ یہ نسخہ ۱۴۳۰ھ/ ۲۰۰۹ء میں مکتبۃ الخانجی، قاہرہ سے (فہارس سمیت ۲۳۱۸ صفحات پر مشتمل) تین جلدوں میں طبع ہوا ہے۔ اس کی فہارس دوسو سے زائد صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس کتاب کے یہ چاروں نسخے جامعۃ العلوم الاثریہ، منٹگمری بازار فیصل آباد کی لائبریری میں موجود ہیں۔

کتاب العلل کا مطالعہ

ابن ابی حاتم کی کتاب العلل کا ذکر حافظ ابویَعْلیٰ خلیلی، حافظ ابن کثیر، حافظ ذہبی اور خیرالدین زرکلی نے کیا ہے۔[۳۹]

قدیم نسخے

اس کتاب کے چند قلمی نسخوں کا تذکرہ اوپر آچکا ہے۔ ان کے علاوہ چند اور قدیم نسخوں کا سراغ ملتا ہے: ایک نسخہ علامہ محقق احمد تیمور بادشاہ کی لائبریری میں (نمبر۱۳۵ حدیث کے تحت) موجود ہے جو ۲۸۷ صفحات پر مشتمل ہے، ہر صفحہ میں ۲۳ سطریں ہیں۔ اس کی کتابت

دمشق میں ۲۷ رجب ۶۱۵ھ کو مکمل ہوئی تھی۔[۴۰]

دوسرا نسخہ دار الکتب المصریّة میں (نمبر ۹۰۸ حدیث کے تحت) موجود ہے۔ یہ بڑی تقطیع کی ایک جلد پر مشتمل ہے۔ ہر صفحہ میں ۲۹ سطریں ہیں۔ اسے جگہ جگہ سے دیمک نے چاٹ رکھا ہے۔ اس کے آخر میں کوئی تاریخ مرقوم نہیں ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نسخوں میں سے ایک، دوسرے سے نقل کیا ہوا ہے، کیونکہ کتاب کی جو غلطی ایک نسخے میں ہے وہی دوسرے نسخے میں بھی پائی جاتی ہے۔ اس کتاب کی طباعت میں مذکورہ دونوں قلمی نسخوں پر اعتماد کیا گیا ہے۔ چنانچہ کتاب کے محشی علامہ محبّ الدین الخطیب فرماتے ہیں کہ میں نے جہاں بھی تصحیح کی ضرورت محسوس کی، وہاں حاشیہ میں اس مرجع کی طرف اشارہ کر دیا ہے، جس پر تصحیح کے سلسلہ میں اعتماد کیا ہے۔[۴۱]

یہ کتاب پہلی دفعہ المکتبۃ السلفیۃ قاہرہ نے ۱۳۴۳ھ/ ۱۹۴۲ء میں طبع کرا کر شائع کی۔ یہ کتاب ۲۸۴۰/۱ احادیث پر مشتمل ہے۔

سندِ کتاب

ابن ابی حاتم سے ان کے تلامذہ: حسین بن علی حسینک تمیمی، ابوشیخ ابن حبان، علی بن عبدالعزیز، ابوالقاسم عبداللہ بن محمد بن اسد فقیہ وغیرہ نے بلا واسطہ اسے روایت کیا ہے۔[۴۲]

طریقۂ تالیف

امام سبکی کا بیان ہے کہ ابو یعلیٰ خلیلی نے کہا کہ ابن ابی حاتم نے ابوزرعہ رازی اور اپنے والد گرامی ابوحاتم کا علم حاصل کیا اور علوم و معرفۃ الرجال میں بحر بے کراں بن گئے۔[۴۳] اس کتاب کے مطالعہ سے اس کا مکمل یقین ہو جاتا ہے، کیونکہ آپ کہیں **سألت أبی**، **سألت أبا زرعة** اور **سألت أبی و أبا زرعة** کے الفاظ ذکر کرتے ہیں اور کہیں **سمعت أبی**، **سمعت أبا زرعة** اور **قالا** جیسے الفاظ لاتے ہیں۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ ابن ابی حاتم نے علوم الروایۃ اور معرفۃ الفن کی جمع و

تدوین کی۔ اس کا ثبوت آپ کی مفید کتب ہیں، جیسے کتاب الجرح والتعدیل، التفسیر الکبیر اور کتاب العلل ۔[۴۴]

اس سے یہ بات واضح ہے کہ آپ نے علل الحدیث کو خود مرتب کیا۔ آپ نے اس کی ترتیب فقہی ابواب کے اعتبار سے کی اور اس کتاب میں مذکورہ احادیث کی عِلَلِ خَفِیَّہ کا خوب انکشاف کیا، حدیث کا انقطاع و ارسال واضح کر دیا، نیز حدیث کا منکر و موضوع اور ضعیف ہونا کھول کر بیان کیا۔ مثلاً ایک حدیث کے بارے فرماتے ہیں ''**أبی یقول هذا حدیث منکر**''(۱/۲۱۰)۔''**أبی یقول مروان بن سالم منکر الحدیث ضعیف جدًا**''(۱/۲۱۱)

ایک جگہ فرماتے ہیں''**ونفس الحدیث کأنه موضوع**''(۱/۱۰۶)

چونکہ یہ کتاب فقہی ابواب پر مرتب کی گئی ہے، اس لیے دیگر کتب علل کی نسبت اس میں کوئی حدیث بہ آسانی تلاش کی جاسکتی ہے۔ لیکن پھر بھی تفصیلی فہرست نہ ہونے کے سبب بسا اوقات کوئی حدیث تلاش کرنے میں دقت پیش آتی ہے۔

کتاب کے مآخذ

عبدالرحمان بن ابی حاتم نے اپنی کتاب **علل الحدیث** میں اپنے والد گرامی ابوحاتم رازی (م ۲۷۷ھ/۸۹۰ء) اور اپنے شیخ محترم ابوزرعہ رازی (م ۲۶۴ھ/۸۷۸ء) کے وہ جوابات جمع کیے ہیں جو انہوں نے اپنے سوالات کے حل کے سلسلہ میں، یا کسی اور کے اپنے سوالات کے حل کے بارے میں ان دونوں ماہر فن اساتذہ سے سنے تھے اور بعض دیگر اساتذہ سے بھی آپ عِلَل کے بارے سوالات کیا کرتے تھے۔ اس لئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ابن ابی حاتم کی کتاب **علل الحدیث** کا ماخذ ابوحاتم رازی اور ابوزرعہ رازی وغیرہ کے جوابات ہیں۔

ابن ابی حاتم کا اسلوب

ابن ابی حاتم تعلیل حدیث میں اپنے والدِ گرامی ابوحاتم، اور شیخ ابوزرعہ رازی کے

جوابات پر بھروسہ کرتے ہیں۔ بعض دفعہ خود سوال کرتے ہیں اور بعض دفعہ ان کی موجودگی میں کوئی اور شخص حدیث یا راوی کے بارے سوال کرتا ہے، تو جواباً جو کچھ ابوزرعہ رازی یا ابوحاتم رازی بیان کرتے ہیں، ابن ابی حاتم تعلیل حدیث کے لیے اس جواب پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم ایک موقع پر خود بیان کرتے ہیں:

سألت أبی عن حدیث رواہ عبدالسلام بن حرب بن عبداللّٰہ بن بشر عن الزھری عن سعید بن المسیب عن عثمان بن عفان عن أبی بکر عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال "سألته عن نجاة ھٰذا الأمر قال: ھو الکلمة التی عرضتھا علی عمّی فردّھا (۱/۱۵۲، حدیث: ۱۹۵۰)

میں نے اپنے والد گرامی سے اس حدیث کے بارے میں سوال کیا جسے عبدالسلام بن حرب بن عبداللہ بن بشر نے زھری عن سعید بن مسیّب عن عثمان بن عفان عن ابی بکر کی سند سے روایت کیا ہے۔ وہ (ابوبکر) کہتے ہیں کہ میں نے آپؐ سے اس امر کی نجات کے بارے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا: یہ وہ کلمہ ہے جسے میں نے اپنے چچا پر پیش کیا تو انھوں نے اسے قبول نہیں کیا۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ میرے والد نے (جواباً) کہا: ''اسے عقیل نے زہری سے روایت کیا۔ زہری نے کہا کہ مجھے انصار میں سے ایک شخص نے خبر دی کہ عثمانؓ ابوبکرؓ کے پاس سے گزرے۔'' میرے والد گرامی نے فرمایا کہ عقیل کی حدیث (صحیح کے) زیادہ مشابہ ہے۔ پھر ابن ابی حاتم اس حدیث کو دہراتے ہوئے، ابوزرعہ کا یہ کلام نقل کرتے ہیں:

'' میں نے ابوزرعہ سے سنا، انھوں نے یہ حدیث بیان کی، پھر فرمایا: اس روایت کے راویوں میں سعید بن مسیّب کا نام لینا غلط ہے، جب کہ درست حدیث تو عقیل اور یونس کی اور اس کی ہے جس نے زہری سے روایت کرنے میں ان دونوں کی متابعت کی۔ (زہری نے) کہا: ''مجھے ایسے شخص نے، جسے میں متّہم نہیں گردانتا، ایک انصاری شخص سے (سن کر) اس (انصاری) نے عثمانؓ سے (سن کر) خبر دی، ان (سب) کی صالح بن کیسان نے موافقت

کی ہے، مگر اس نے سند سے ایک شخص کو چھوڑ دیا ہے۔'' (۲/۱۵۹، حدیث:۱۹۷۰)

ابوزرعہ اور ابوحاتم کا اسلوب

چونکہ ابن ابی حاتم کی کتاب العلل میں ابوزرعہ اور ابوحاتم کی معرفت عِلَل کا رنگ جھلکتا ہے، اس لئے ان دونوں اماموں کا اسلوبِ تعلیل پیش کیا جاتا ہے۔ اس منہج کو درج ذیل مثالوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔

۱۔ بعض دفعہ ابوزرعہ پر حدیث کے مختلف طرق پیش کیے جاتے تو وہ ان میں سے ایک کو دوسرے تمام طرق پر 'حدیث فلان اصح' کہہ کر ترجیح دیتے تھے۔ مثلاً ابن ابی حاتم کہتے ہیں:

''سُئِل ابوزرعة عن حديث رواه هشيم و سفيان بن حسين و روى احمد بن يونس عن ابى عوانة كلهم عن ابى بشر جعفر بن ابى وحشية عن حبيب بن سالم عن النعمان بن بشير انه قال انا اعلم الناس بوقت صلاة العشاء كان يصليها بعد سقوط القمر ليلة الثالثة مِن اوّل الشهر و روى مسدد عن ابى عوانة عن ابى بشر عن بشير بن ثابت عن حبيب بن سالم عن النعمان عن النبى ﷺ قال ابو زرعة حديث بشير بن ثابت اصح'' (۱/۷۶-۷۷)

۲۔ کبھی حدیث کو مرسل ہونے کے ساتھ معلّل قرار دیتے ہیں۔ ان کے سامنے حدیث متصل پیش کی جاتی ہے تو فیصلہ دیتے ہیں کہ یہ حدیث متصل نہیں، اس کا مرسل ہونا درست ہے۔ چنانچہ ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

''سئل ابوزرعة عن حديث رواه اسماعيل بن عياش عن ابن جريج عن ابن ابى مليكة عن عائشة عن النبى صلى الله عليه وسلم قال: اذاقاء احدكم فى صلاته او رعف او قلس فلينصرف

و لیتوضأ ثم یبنی علی ما مضٰی من صلاتہٖ مالم یتکلمُ، قال ابوزرعۃ ھذا خطأ. الصحیح عن ابن جریج عن ابیہ عن ابن ابی ملیکۃ عن النبی ﷺ مرسل'' (۱/۱۷۹، حدیث:۵۱۲)

۳۔ کبھی ابوزرعہ حدیث کو معلّل قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں 'وَھِم فیہ فلان' یا 'الوھم من فلان' مثلاً ابن ابی حاتم حدیث نمبر۷ کے آخر میں کہتے ہیں:

''قال ابوزرعۃ ھذا خطأ، انما ھو الاعمش عن عبد الملک بن میسرۃ عن النزال عن علی عن النبی ﷺ'' ابن ابی حاتم کہتے ہیں: میں نے دریافت کیا کہ وہم کس سے ہوا ہے؟ ابوزرعہ نے فرمایا: طفاوی سے۔ میں نے کہا: طفاوی کا کیا حال ہے؟ فرمایا: صدوق الا انہ یھم احیانًا'' (۱/۱۲-۱۳) ''وہ سچ ہیں، لیکن کبھی انھیں وہم ہوجاتا ہے۔)

۴۔ ابوزرعہ کبھی حدیث کی علّت ھذا حدیث منکر کہہ کر بیان کرتے ہیں۔ (۱/۱۹۴، حدیث: ۵۵۷)

۵۔ کبھی حدیث کی علّت اخطأ فیہ فلان کہہ کر واضح کرتے ہیں۔ مثلاً پہلی حدیث کے آخر میں کہتے ہیں: ''اخطأ فیہ قبیصۃ'' (۱/۱۱)

۶۔ کبھی کسی حدیث کا مرفوع ہونا معلول ہوتا ہے، اصل میں وہ حدیث موقوف ہوتی ہے، تو فرماتے ہیں: ''والصحیح موقوف''۔ (۱/۲۲۳، حدیث: ۶۴۷)

۷۔ کبھی حدیث کی علّت ''لَیْسَ بِقَوِیٍّ'' کہہ کر واضح فرماتے ہیں۔ (۱/۲۴، حدیث:۳۶)

۸۔ کبھی کسی شخص کو مضطرب الحدیث کہہ کر اس کی حدیث کو معلول قرار دیتے ہیں۔ مثلاً حدیث نمبر۱۴ کے بارے فرماتے ہیں: ''لیث لا یشتغل بہ فی حدیثہٖ مثل ذی کثیر ھو مضطرب الحدیث'' (۱/۱۶)

۹۔ بعض دفعہ کسی حدیث کو معلول ثابت کرنے کے لئے حدیث کے راوی کو 'ضعیف الحدیث' یا 'واھی الحدیث' کہتے ہیں۔ مثلاً: حدیث نمبر۴۳ کے ایک راوی

کے بارے ابوحاتم اور ابوزرعہ دونوں فرماتے ہیں: ''و ابو جزی ضعیف الحدیث''(۲۵۲/۱)

اسی طرح حدیث نمبر۲۰۹۰ کے آخر میں ابوزرعہ فرماتے ہیں:

''و جمیعہ' ضعیف الحدیث، واھی الحدیث و عبداللّٰہ بن الحارث عن ابن مسعود مرسل''(۲۰۰/۲)

۱۰۔ امام ابوحاتم بعض دفعہ کسی راوی کی حدیث کو معلّل قرار دیتے ہوئے اس کے لیے متروک الحدیث کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں: ''العلاء ضعیف الحدیث متروک الحدیث''(۴۳۹/۲)

۱۱۔ بعض دفعہ ابوزرعہ کسی حدیث کی علّت یوں بیان کرتے ہیں: ''ھذا حدیث باطل فامتنع ان یحدَّث بِہٖ'' (۴۷۹/۱)

۱۲۔ بعض دفعہ ابوزرعہ کے سامنے ایک حدیث کے کئی طرق ذکر کیے جاتے ہیں تو وہ ''حدیث فلانٍ اشبہ'' کہہ کر کسی ایک طریق کو راجح قرار دے دیتے ہیں، مثلاً ایک موقع پر انھوں نے کہا: ''حدیث شعبة اشبہ''(۱۱/۱)

۱۳۔ ابوزرعہ بعض دفعہ کسی حدیث کو معلّل قرار دیتے ہوئے ''حدیث واہٍ، ھو متروک الحدیث، ھو ضعیف الحدیث'' کہہ دیتے ہیں۔(۴۵/۱)

۱۴۔ ابوزرعہ بعض دفعہ ''الحدیث حدیث فلان'' کہہ کر اس حدیث کے مقابلہ میں دوسری حدیث یا حدیثوں کو معلل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً ایک جگہ فرماتے ہیں: ''الحدیث حدیث حماد و زید بن انیسة''(۱۸۴/۱-۱۸۵)

۱۵۔ بعض دفعہ اس حدیث کو معلّل قرار دیتے ہیں جس کا متن تو صحیح ہوتا ہے، لیکن اس کی سند کسی اور حدیث کی ہوتی ہے، مثلاً ابن ابی حاتم فرماتے ہیں:

''سألت ابا زرعة عن حدیث رواہ ابراھیم بن عبدالملک عن قتادة عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان یغتسل بالصاع و یتوضأ بالمدّ. قال ابوزرعة: ھذا خطأ، انما ھو قتادة عن صفیة بنت شیبة عن عائشة عن النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم''(۱۲/۱)

اس حدیث کے ساتھ 'عن قتادة عن انس' سند لگا دی گئی ہے، جب کہ اس کی اصل سند 'قتادة عن صفية عن عائشة' ہے۔

۱۶۔ امام ابو حاتم بعض دفعہ کسی حدیث کو معلول قرار دیتے ہوئے یوں فرماتے: ''كَانَ سَاءَ حفظُه' فَغَلَطَ فِيْهِ'' (۱/۲۳۰) ''حافظہ خراب ہونے کی وجہ سے ان سے غلطی ہوئی ہے''۔

ابن ابی حاتم کی کتاب سے ان کے والد ابو حاتم اور شیخ ابو زرعہ کے ذریعے حدیث کو معلول قرار دینے کی چند اور مثالیں ملاحظہ کیجیے:

۱۷- قال ابو زرعة: اضربوا على هذا الحديث، فانه اشبه موضوع.
قال ابو زرعة: و محمد بن غزوان الدمشقي منكر الحديث (۱/۷۸)

۱۸۔ سألتُ ابی عن حديث رواه عون بن سلام، قال ابی: هذا حديث باطل (۲/۱۰۱)

۱۹۔ سمعت ابی، و ذكر حديثا رواه محمد بن سعيد بن زياد الاثرم عن همام.....قال ابی: هذا حديث منكر جدا، و محمد بن الاثرم لين الحديث (۲/۲۶۶)

۲۰۔ سمعت ابا زرعة يقول: حديث ابی فزارة ليس بصحيح، و ابو زيد مجهول (۱/۱۷)

۲۱۔ قال ابو زرعة: هذا الحديث ليس بمحفوظ، و الصحيح سالم عن أبيه عن النبی صلى الله عليه وسلم (۱/۳۹۲)

۲۲۔ سألتُ ابی.....قال ابی: الصحيح موقوف، الحفاظ لا يعرفونه' (۲/۱۷۱)

۲۳۔ فقال ابی: هذا حديث منكر، و الحربيش شيخ لا يحتج بحديثه (۱/۴۷)

۲۴۔ قال ابو زرعة: الصحيح عندنا حديث غندر (۱/۲۶۱) یہ کہہ کر اس

کے مقابل حدیث کوضعیف قرار دیا۔

۲۵۔ قال ابی هذا حدیث منکر، و ابو بشر لا اعرفه (۲۱۱/۱)

۲۶- قال ابی: عبدالرحمٰن هٰذا شیخ مدنی مضطرب الحدیث(۳۵۲/۱)

۲۷۔ قال ابی: مروان بن سالم منکر الحدیث ضعیف جدًّا''(۲۱۱/۱)

ان مذکورہ بالا تمام احادیث کے مطالعہ سے ابن ابی حاتم کے اسلوب تعلیل حدیث سے مکمل آگاہی حاصل ہوجاتی ہے۔

حواشی ومراجع

۱۔ شمس الدین ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، دار احیاء التراث العربی، بیروت: ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۸ء: ص ۸۲۹/۳

۲۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت: ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء، ۲۶۳/۱۳

۳۔ تاج الدین سبکی، طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، تحقیق: محمود محمد طناحی، عبدالفتاح محمد جلو، دار احیاء العربیۃ، عیسیٰ البابی الحلبی، سن ندارد، ص ۳۲۵/۳

۴۔ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲۶۶/۱۳

۵۔ حوالہ سابق، ۲۶۴/۱۳

۶۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۳۲۴/۳

۷۔ تذکرۃ الحفاظ، ۸۲۹/۳

۸۔ سیر اعلام النبلاء، ۶۴/۱۳، ۲۶۳

۹۔ حوالہ سابق، ۲۶۴/۱۳؛ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۳۲۵/۳

۱۰۔ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۳۲۵/۳

۱۱۔ ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسیٰ البابی، مصر، ۱۳۸۲ھ/ ۱۹۶۳ء، ۸۸، ۵۸۷

۱۲۔ سیر اعلام النبلاء، ۲۶۷/۱۳

۱۳ حوالہ سابق

۱۴ حوالہ سابق

۱۵ ابن کثیر، البدایۃ والنھایۃ، دارالفکر، بیروت: سن ندارد، ۱۹۱/۱۱

۱۶ سیر اعلام النبلاء، ۲۶۹/۱۳

۱۷ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲۶۴/۱۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۸۳۰/۳؛ الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ، دارالکتب العلمیۃ، بیروت: ۱۴۰۰ھ/۱۹۷۹ء: ص ۵۳

۱۸ فواد سزگین، تاریخ التراث العربی، مترجم: محمد فہمی حجازی، جلد اول، جزء اول، علوم القرآن و الحدیث، طبع سعودی عرب، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء، ۳۵۴/۱

۱۹ حوالہ سابق، ص ۳۵۵

۲۰ تذکرۃ الحفاظ، ۸۳۰/۳

۲۱ الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۳۰؛ ذہبی، سیر اعلام النبلاء، ۲۶۴/۱۳

۲۲ سیر اعلام النبلاء، ص ۲۶۴/۱۳؛ تذکرۃ الحفاظ، ۸۳۰/۳

۲۳ تاریخ التراث العربی، ۳۵۳/۱

۲۴ الکتانی، الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۶۴؛ خیر الدین الزرکلی، الاعلام، دار العلم للملایین، بیروت، ۳۲۴/۳

۲۵ تاریخ التراث العربی، ۳۵۴/۱

۲۶ الزرکلی، الاعلام، ۳۲۴/۳

۲۷ تاریخ التراث العربی، ۳۵۴/۱

۲۸ حوالہ سابق

۲۹ سیر اعلام النبلا، ۲۶۵/۱۳

۳۰ تاریخ التراث العربی، ۳۵۴/۱

۳۱ الرسالۃ المستطرفۃ، ص ۵۳

۳۲ سیر اعلام النبلاء، ۲۶۴/۱۳

۳۳؎ تذکرۃ الحفاظ، ۸۳۰/۳؛ الرسالۃ المستطرفۃ: ص۹۰

۳۴؎ تاریخ التراث العربی، ۳۵۴/۱ ۳۵؎ سیر اعلام النبلاء، ۲۶۵/۱۳

۳۶؎ تاریخ التراث العربی، ۳۵۴/۱ ۳۷؎ حوالہ سابق، ۳۵۳/۱

۳۸؎ حوالہ سابق، ۳۵۴/۱، ۳۵۳

۳۹؎ ابویعلیٰ خلیلی، الارشاد فی معرفۃ علماء الحدیث، مکتبۃ الرشد، الریاض: ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۹ء، ۶۸۳/۲؛ ابن کثیر، اختصار علوم الحدیث، ص۶۴ اور البدایۃ والنھایۃ، ۱۹۱/۱۱، ذہبی، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۵۸۸/۲؛ الزرکلی، الاعلام، ۳۲۴/۳

۴۰؎ ابن ابی حاتم، علل الحدیث، المطبعۃ السلفیۃ، مصر، ۱۳۴۳ھ، ۱۹۲۴ء، ۳/۱

۴۱؎ حوالہ سابق ۴۲؎ حوالہ سابق، ۵/۱

۴۳؎ طبقات الشافعیۃ الکبریٰ، ۳۲۵/۳

۴۴؎ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ۸۸/۲، ۵۸۷

مذہب کا اسلامی تصور

مولانا سلطان احمد اصلاحی

اس کتاب میں معاملاتِ دنیا سے مذہب کی بے دخلی کے تصور کو اس کے خاص تاریخی تناظر میں دیکھا گیا ہے۔ کتاب کے پہلے باب میں یہ واضح کیا گیا ہے کہ چرچ کے ناقابلِ بیان مظالم کے نتیجے میں یورپ میں چرچ اور اسٹیٹ کی علیحدگی اور مسیحیت سے بے زاری کے ساتھ خود مذہب سے بے زاری پیدا ہوگئی تھی۔ دوسرے باب میں قرآن اور سنت کی روشنی میں اسلام کے مطلوبہ تصورِ مذہب کو پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت، صفحات: ۵۹۱ قیمت =/۱۰۰ روپے

ملنے کے پتے

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ- ۱

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، دعوت نگر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵

نقد واستدراک

مفقود سیرتِ ابن اسحاق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ

——————— پروفیسر سید احتشام احمد ندوی

سہ ماہی تحقیقات اسلامی اپریل- جون ۲۰۱۲ء میں پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی کا مقالہ 'امام ابن اسحاق- شاہ ولی اللہ کے اہم ترین ماخذ سیرت' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔

اس مقالہ کی سب سے بڑی خامی یہ ہے کہ جو کتاب ناپید اور گردش زمانہ کی نذر ہوچکی ہے اس کا تذکرہ دست یاب کتاب کی حیثیت سے کیا گیا ہے اور اسے ماخذ قرار دیا گیا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (م ۲۰۰۲ء) نے سیرت ابن اسحاق کے جو چند اجزاء شائع کیے ہیں ان میں غزوۂ احد تک کا بیان ہے۔ انھوں نے لکھا ہے:

> ''رفتہ رفتہ یہ کتاب ناپید ہوتی گئی، یہاں تک کہ اس کا ایک بھی نسخہ دنیا میں موجود نہ رہا۔ بہرحال تلاش بسیار کے بعد ابن اسحاق کی اصل کتاب کے کچھ اجزاء دست یاب ہوئے ہیں''۔ (سیرت ابن اسحاق، تحقیق وتعلیق ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈوکیٹ، ملی پبلی کیشن نئی دہلی، ۲۰۰۹ء، ص ۴۵۹)

ڈاکٹر حمید اللہ نے تلاش وتحقیق سے دو کتب خانوں (مکتبہ قزوین رباط اور مکتبہ ظاہریہ دمشق) سے کتاب کے چند اجزا بیسویں صدی میں دریافت کرکے شائع کردیے، مگر شاہ ولی اللہ دہلوی کو تو یہ کتاب اور اس کے اجزاء بھی نہ مل سکے ہوں گے۔

ڈاکٹر یٰسین مظہر صاحب کو بھی اس حقیقت کا احساس ہے، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں:

''حضرت شاہ صاحب کے زمانے میں امام ابن اسحاق کی سیرت رسول ﷺ یا السیرۃ النبویۃ کا اصل نسخہ دست یاب وموجود تھا بھی یا نہیں؟ یا دوسرے اہل علم کی مانند صرف امام ابن ہشام کی تہذیب وتلخیص سیرۃ ابن اسحاق سے انھوں نے مواد لیا ہے؟ یہ تحقیق طلب ہے''۔ (تحقیقات اسلامی، اپریل- جون۲۰۱۲ء، ص۳۱)

لیکن دوسری طرف وہ اس کا تذکرہ ایک دست یاب کتاب کی حیثیت سے کرتے ہیں:

''سیرت و حدیث کے اس مایہ ناز امام وقت کا رجحان ساز افتخار یہ بھی ہے کہ وہ اولین دست یاب کتابِ سیرت کے عظیم مؤلف ہیں۔ ان کے پیش رووں اور بزرگ معاصروں میں متعدد اہل فن نے اپنے اپنے زمانے میں کتبِ سیرت تالیف کی تھیں، لیکن وہ اتنی جامع، ہمہ گیر اور مفصل و مدلل نہ تھیں اور وہ وقت اور زمانہ کے تخریب کن دھاروں کا شکار ہوکر نابود ہوگئیں''۔ (تحقیقات اسلامی، حوالہ سابق، ص۱۹)

یہ ڈاکٹر صاحب کی تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟!

اہل علم جانتے ہیں کہ ابن ہشام نے سیرۃ ابن اسحاق کی تخلیص وتہذیب کی ہے۔ اس کا ابتدائی حصہ پورا نکال دیا ہے، جہاں سے رسول اللہ ﷺ کا ذکر تھا وہ باقی رکھا ہے۔ پھر اس میں اپنی طرف سے بہت سے اضافے کیے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ان کا ذکر اس نے واضح طور سے الزیادات/ زیادات علی السیرۃ کے فقرے سے کیا ہے۔ اس کے علاوہ کہیں کہیں انھوں نے 'قال ابن ہشام، قال ابن اسحاق' لکھ کر ابن اسحاق کے اقتباسات درج کیے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صدیقی صاحب محنت کریں اور ان اقوال کو جمع کردیں جو ابن ہشام نے ابن اسحاق کے نقل کیے ہیں، پھر ان اقوال کے اثرات شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے یہاں دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ شاہ صاحب پر ابن اسحاق کے کتنے اثرات پڑے ہیں۔ مگر انھوں نے تو خود ہی لکھ دیا ہے کہ ''سیرت نبوی کے بیان میں شاہ ولی اللہ نے سیرۃ ابن اسحاق کا ایک حوالہ بھی نہیں دیا ہے''۔ (تحقیقات اسلامی، حوالہ سابق، ص۳۱)

ایک بات اور غور کرنے کی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ موطا امام مالک کے عاشق ہیں۔ اس کی تمام احادیث ثلاثی ہونے کے باعث وہ اسے صحیح بخاری و صحیح مسلم کے برابر قرار دیتے ہیں۔ اس کی انھوں نے دو شرحیں لکھی ہیں، ایک عربی میں (مسویٰ) اور دوسری فارسی میں (مصفیٰ) اور امام مالک کا حال یہ ہے کہ وہ ابن اسحاق کو دجّال قرار دیتے اور کذّاب بتاتے ہیں۔ دونوں کی باہمی چپقلش کا پس منظر یہ ہے کہ ابن اسحاق امام مالک کو ذی اصبح کے آزادہ کردہ غلاموں میں سے تصور کرتے تھے، جب کہ امام مالک خود کو حمیر کی شاخ اصبح سے سمجھتے تھے۔ امام مالک نے موطا لکھی تو ابن اسحاق نے کہا: **إئتونی به فانا بیطاره** (اسے میرے پاس لاؤ، اس کا پارکھ تو میں ہوں) یہ بات امام مالک تک پہنچی تو انھوں نے فرمایا: **هذا دجّال من الدجاجلة، یروی عن الیهود** (یہ تو دجّالوں میں سے ہے، یہودیوں سے روایت کرتا ہے)۔ (سیرت ابن اسحاق، حوالہ سابق، محاکمہ از ڈاکٹر حمید اللہ، ص ۲۸۷) ڈاکٹر صدیقی نے اس کی طرف ہلکا سا اشارہ کر دیا ہے۔ ضرورت تھی کہ اس پر تفصیل سے اظہار خیال کرتے۔

ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے:

> ''سیرت ابن اسحاق اپنے عہد سے آج تک سیرت نبوی کا سب سے بڑا ماخذ و مرجع رہی ہے اور اس سے کسی صاحب علم کو ذرا بھی مفر نہیں''۔ (ص ۱۹۔۲۰)

یہ بیان سراسر غلط ہے۔ جو کتاب ناپید ہو وہ ماخذ کیسے بن سکتی ہے؟ اسی بنا پر شاہ ولی اللہؒ نے بیانِ سیرت میں ابن اسحاق کا ذکر ہی نہیں کیا ہے۔ اس لیے کہ یہ کتاب موجود ہی نہ تھی۔

ایک اور بات اہل علم کے درمیان کم معروف ہے، وہ یہ کہ ابن اسحاق کی سیرت پر دو کتابیں تھیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس کا تذکرہ کیا ہے:

> ''ابن اسحاق نے الکتاب الکبیر لکھی۔ خلیفہ مہدی نے ان سے کہا کہ آپ نے بڑی طویل کتاب لکھی ہے، اس کو مختصر کر دیجیے۔ تو یہ کتاب مختصر ہے۔ مگر الکتاب الکبیر امام سہیلی کے پاس موجود تھی اور وہ اس سے اقتباس لیتے تھے۔ یہ چھوٹی اور بڑی

کتاب امیر المومنین کے کتب خانے میں رکھ دی گئی‘‘۔(محاکمہ، ص۴۸۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن اسحاق نے پہلے الکتاب الکبیر لکھی، جس کو سہیلی نے اپنے سامنے رکھا ہے۔ دوسری کتاب میں انھوں نے اس کا اختصار پیش کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ ابن ہشام نے الکتاب الکبیر کو اپنے سامنے رکھا ہے یا اس کے خلاصے کو۔ ڈاکٹر یٰسین مظہر صاحب نے ان تمام باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے اور ان کی طرف مطلق اشارہ نہیں کیا ہے۔

مولانا سید جلال الدین عمری کی دو اہم تصانیف

غیر اسلامی ریاست اور مسلمان

کسی غیر اسلامی ریاست میں مسلم اقلیت کا کیا موقف ہونا چاہئے اور اسلام نے اس سلسلے میں کیا ہدایات دی ہیں؟ یہ دورِ حاضر کا ایک اہم سوال ہے، اس کتاب میں اس کا مدلّل جواب فراہم کیا گیا ہے اور ان اعتراضات کا بھرپور رد کیا گیا ہے جو اس موضوع پر کیے جاتے ہیں۔ دین پر استقامت، عدل کا قیام، امر بالمعروف ونہی عن المنکر، انسانی حقوق کا احترام، دفاع اور انتقام کا حق اور اس کی معنویت اور مطلوبہ دینی واخلاقی کردار جیسے عنوانات پر عالمانہ بحث کی گئی ہے۔

صفحات: ۶۴ قیمت: =/۲۵ روپئے

اسلام اور مشکلاتِ حیات

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں پر مشکلات اور مصائب کیوں آتے ہیں؟ اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ملّی اور اجتماعی، شخصی اور انفرادی مشکلات سے کیوں گزارا جاتا ہے؟ امراض، جسمانی تکالیف، مالی مشکلات، حادثات اور صدمات میں ایک مومن کا کیا رویہ ہونا چاہئے؟ مرض اور مشکلاتِ حیات میں خودکشی کیوں ناجائز ہے؟ مرض کی شدّت میں کسی کی جان کیوں نہیں لی جاسکتی؟ یہ کتاب قرآن وحدیث کی روشنی میں ان سوالات کے جوابات فراہم کرتی ہے۔ مؤثر اندازِ بیان، دل نشیں بحث اور علمی اسلوب۔

طبع جدید، صفحات: ۴۸ قیمت =/۲۵ روپئے

≐ ملنے کے پتے ≐

ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی- ۲۵

تعارف وتبصرہ

لغاتِ قرآن اور عورت کی شخصیت — پروفیسر خورشید عالم

ناشر: چودھری غلام رسول اینڈ سنز پبلشرز لاہور، ۲۰۱۱ء، ص: ۵۶۰، قیمت -/۸۵۰ روپے

مغرب میں آزادی و مساواتِ نسواں کی تحریکات کے نتیجے میں عورتوں کو زندگی کے ہر میدان میں مردوں کے برابر مقام مل گیا ہے اور وہ ہر وہ کام کرنے لگی ہیں جسے مرد انجام دیتے ہیں۔ اہلِ مغرب کا اسلام پر ایک بڑا اعتراض یہ ہے کہ اس نے عورت کو مرد کے مقابلے میں کم تر حیثیت دی ہے اور اسے گھر کی چہار دیواری میں محبوس اور زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم مشارکت سے دؤر رکھا ہے۔ علمائے اسلام نے اس اعتراض کا بھرپور جواب دیا ہے، سماج میں اس کے حقیقی مقام و مرتبہ کی وضاحت کی ہے اور دلائل کے ذریعے اس کی معقولیت واضح کی ہے، لیکن مسلم دانش وروں کا ایک طبقہ ایسا پایا جاتا ہے جو حرّیتِ نسواں کی مغربی تحریکوں کا زبردست حامی ہے۔ ان کے نزدیک اسلام میں مساواتِ مرد و زن کا وہی مطلب ہے جو مغرب نے سمجھایا ہے۔ وہ بڑے ہی معذرت خواہانہ انداز میں کہتے ہیں: جی حضور! عورتیں جس طرح آپ کے یہاں گھر کی چہار دیواری سے نکل کر زندگی کے تمام میدانوں میں مردوں کے دوش بہ دوش کام کرنے لگی ہیں، اس کا اسلام بھی داعی ہے، قرآن میں اسی کا حکم دیا گیا ہے، اسلام کی ابتدائی صدیوں میں ایسا ہی سماج پایا جاتا تھا، یہ عہد زوال کے مفسرین، محدثین اور علماء ہیں، جو مسلمان عورت کی پستی کے ذمہ دار ہیں، انھوں نے اس کو قعرِ مذلّت میں ڈھکیل دیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب کے مصنف بھی دانش وروں کے اسی طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کتاب کا موضوع کہنے کو تو 'لغاتِ قرآن' ہے۔ اس میں ۲۸/ ابواب کے تحت قرآن کریم کے ایسے الفاظ اور اصطلاحات کو بہ اعتبار حروفِ تہجی جمع کر دیا گیا ہے جن کا کسی نہ کسی پہلو سے عورتوں سے تعلق پایا جاتا ہے۔ مثلاً اخت، ام، امرأۃ، اُنثی، اہل، بنت، حلیلۃ، حور، رحم، زوج، صاحبۃ، نساء وغیرہ۔ ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کو بھی جگہ دی گئی ہے جو عورتوں کے لیے مخصوص تو نہیں ہیں، لیکن ان میں وہ بھی شامل ہیں، جیسے الانس، البشر، طائفۃ، عبد،

الناس، النفس، الیتیم۔ ان الفاظ کے معانی و مطالب اور قرآن میں ان کے مواقعِ استعمال، تفاسیر، احادیث، کتبِ لغات اور اشعارِ عرب کے حوالوں سے واضح کیے گئے ہیں۔ لیکن حقیقت میں اس کا فوکس (Focus) اسی مرکزی نکتہ پر ہے کہ اسلامی شریعت میں مردوں اور عورتوں کے درمیان ہر معاملہ میں مساوات ہے اور عورت ہر وہ کام کرسکتی ہے جو مرد کرتا ہے (ص ۲۷، ۱۱۴ و دیگر)۔

اس بات کو مصنف نے پوری کتاب میں مختلف انداز سے بار بار دہرایا ہے۔ حتی کہ بعض مواقع پر بڑی نامعقول باتیں ان کے قلم سے نکل گئی ہیں۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''مرد و زن میں جو حیاتیاتی امتیاز پایا جاتا ہے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایک دوسرے کے کام کی صلاحیت نہیں رکھتا اور اس کا دائرۂ کار الگ ہے ... ہر صنف کے وجود میں مردانہ اور زنانہ دونوں خصوصیتیں پائی جاتی ہیں۔ سرجری کے ذریعے مرد خاتون بن جاتا ہے اور خاتون مرد'' (ص ۱۳۰)

> ''دنیا کی موجودہ اقتصادی صورت حال میں کسی ملک کی نصف آبادی کو زندگی کے تمام میدانوں میں شریک ہونے سے روک دیا جائے تو ترقی کیسے ہوگی''۔ (ص ۱۳۱)

یہی نہیں بلکہ بسا اوقات وہ عورتوں کو مردوں سے افضل قرار دیتے ہوئے بڑی مضحکہ خیز باتیں لکھ جاتے ہیں:

> ''اگر دنیا میں سارے مرد ختم ہوجائیں تو دنیا ختم نہیں ہوگی، لیکن اگر سب عورتیں ختم ہوجائیں تو بقائے نوع کا سلسلہ رک جائے گا اور دنیا ختم ہوجائے گی''۔ (ص ۲۹۵)

جنین کی تشکیل میں مرد اور عورت دونوں کا کردار اہم اور مساوی ہوتا ہے، ان میں سے کسی کے کردار کی نفی نہیں کی جاسکتی۔ مرد کے نطفہ (Sperm) اور عورت کے بیضہ (Ovum) کے امتزاج سے حمل کا استقرار رحم مادر میں ہوتا ہے، ان میں سے اگر کوئی ایک مفقود ہو تو استقرار حمل نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر اگر تمام مرد دنیا سے ختم ہوجائیں تو بھی بقائے نوع کا

سلسلہ جاری نہیں رہ سکتا۔

جو لوگ مصنف کے نقطۂ نظر سے اتفاق نہیں رکھتے، ان کے لیے ان کا قلم تلخ اور زبان سخت ہو جاتی ہے۔ وہ جا بجا انھیں ہدف تنقید و ملامت بناتے ہیں:

''جن لوگوں کے دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ چکی تھی کہ عورت مرد سے گھٹیا ہے وہ قرآنی آیات کو کھینچ تان کر اپنی رائے کی تائید میں پیش کرتے ہیں''۔(ص۲۲۰)

''بدقسمتی سے ہمارے مفسر اور مذہبی پیشوا جب بھی عورت پر مرد کی فضیلت کا قصہ چھیڑتے ہیں تو عورت کو ناقص، کم عقل، ناشکر گزار اور ناصبور ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور اس بات کو قطعی نظر انداز کر دیتے ہیں کہ قرآن نے انسان کی کن خصوصیات اور صلاحیتوں کو بیان کیا ہے۔ دلیل کے طور پر وہ ایسی ضعیف اور جھوٹی حدیثوں کو پیش کرتے ہیں جن کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ نبی کریم ﷺ جیسی انسان شناس ہستی کی زبان سے صادر ہوئی ہوگی''۔(ص۱۳۳)

دوسری طرف حال یہ ہے کہ وہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے ضعیف روایات کا سہارا لیتے ہیں اور ان کے بیانات کو ثابت شدہ حقیقت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً جب وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مرد کی طرح عورت بھی حکم راں ہوسکتی ہے تو اس کے لیے ملکۂ سبا (بلقیس) کی مثال پیش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ دینی و شرعی اعتبار سے اس میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، کہتے ہیں:'' تمام آثار و روایات اور مورخین کی آراء سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان کی ملکہ بلقیس سے شادی ہوئی اور انھوں نے انھیں حکومت پر برقرار رکھا''۔ (ص۱۰۴) حالاں کہ کسی صحیح روایت میں ملکۂ سبا کی حضرت سلیمانؑ سے شادی اور بہ حیثیت حکم راں برقراری کی صراحت نہیں ہے۔ (اس موضوع پر مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنی تصنیف 'عورت- اسلامی معاشرے میں' تفصیل سے بحث کی ہے اور ان روایات کو اسرائیلیات میں سے قرار دیا ہے۔ طبع مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی، ۲۰۱۱ء، ص: ۲۸۳۔۲۸۴)

خواتین کو مردوں کی صف میں لانے کے لیے فاضل مصنف نے متعدد مباحث چھیڑے ہیں۔ مثلاً یہ کہ مردوں کی طرح خواتین کے پاس بھی اللہ کے فرشتے وحی لے کر آتے تھے، ان سے ہم کلام ہوتے تھے اور وہ نبی بنائی گئی ہیں (ص ۷۰)۔ قرآن کریم میں کئی مقامات پر صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا ہے: وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالاً نُّوحِيٓ إِلَيْهِم ۔ (یوسف:۱۰۹، النحل:۴۳، الانبیاء:۷) لیکن وہ کہتے ہیں کہ عورتوں کو اگرچہ رسول نہیں بنایا گیا، لیکن رسول بننے کی صلاحیتیں ان میں پائی جاتی تھیں:

''عورت کا رسول ہونا محال یا ناممکن نہیں۔ ان میں دل و دماغ کی وہ صلاحیتیں بدرجۂ اتم موجود ہیں جو ایک مرد میں پائی جاتی ہیں''۔ (ص ۲۳۳)

''عورت کو رسول بنا کر نہیں بھیجا گیا، اس کی وجہ یہ نہیں تھی کہ اس میں نقص ہے، بلکہ حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ فاسد معاشروں میں، جہاں عورت کو ایک 'چیز' سمجھا جاتا تھا، ان معاشروں میں عورت کو اس کی صلاحیتوں کے باوجود رسول بنا کر نہ بھیجنا حالات کے تقاضوں کے عین مطابق تھا''۔ (ص ۳۷۸)

جمہور امت کے نزدیک اللہ تعالیٰ نے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا، پھر حضرت حوّا کو۔ وہ ان آیات سے استدلال کرتے ہیں جن میں "خَلَقَكُم مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ" کے الفاظ آئے ہیں۔ [النساء:۱، الاعراف: ۱۸۹، الزمر:۶]۔ لیکن چوں کہ اس سے یک گونہ آدم کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے، اس لیے مصنف نے ان آیات کی دور از کار تاویل کی ہے۔ ان کے نزدیک لفظ 'نفس' سے 'جنس' مراد لی جائے یا کچھ اور، بہر حال ابوالبشر آدم مراد نہیں ہو سکتے:

''آیت میں خطاب تمام انسانوں سے ہے، اس سے مراد ذہن میں موجود خاص نفس کیسے ہو سکتا ہے، جو سب انسانوں کے نزدیک مسلّم بھی نہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جو آدم و حوا کو جانتے تک نہیں'' (ص ۴۷۰-۴۷۱)

''قرآن حکیم میں کوئی اصولی اور قطعی نص اس بارے میں موجود نہیں کہ آدم ہی انسانِ اول ہیں۔ قرآن کریم میں لوگوں کو بنی آدم کہہ کر پکارا گیا ہے، وہ اس بات کی نصِّ قطعی نہیں کہ نوعِ بشری آدم کی اولاد ہیں۔ ہاں نزول قرآن

کے زمانے میں جن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے وہ تو آدم کی اولاد ہوسکتے ہیں۔ سورۂ البقرہ کے آغاز میں قصۂ آدم کے تذکرہ میں یہ ثبوت موجود ہے کہ آدم سے پہلے ایسے بشر موجود تھے جو زمین میں فساد بپا کرتے اور خوں ریزی کرتے تھے۔ سورۂ اعراف کی آیت ۱۸۹ سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آدم ابوالبشر نہیں تھے'' (ص ۴۷۲)

مصنف کے یہ دونوں حوالے غلط ہیں۔ سورۂ بقرہ کی مذکورہ آیات میں آدم سے قبل کی کسی مخلوق کا ذکر ہے نہ سورۂ اعراف کی آیت میں آدم کے ابوالبشر نہ ہونے کی کوئی صراحت موجود ہے۔

جنت کی حوروں کے بارے میں قرآن کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عورتیں ہوں گی جو مومن مردوں کو ان کے نیک اعمال کی جزا میں ملیں گی۔ اس میں بھی مصنف کو عورتوں کی فروتری کا پہلو نظر آیا، چنانچہ انھوں نے یہ تحقیق پیش کی کہ لغوی طور پر 'حور' کا اطلاق مرد اور عورت دونوں پر ہوتا ہے۔ جنت میں مردوں کو عورت حوریں ملیں گی اور عورتوں کو مرد حور:

''ہمارے یہاں تصور یہ ہے کہ جنتی مردوں کو بڑی خوب صورت بیویاں ملیں گی، جنھیں قرآن نے حوروں کا نام دیا ہے۔ اس سے آدمی کا ذہن آخرت کی زندگی میں مرد اور عورت کے جنسی تعلق کی طرف منتقل ہوجاتا ہے'' (ص ۲۷۲)

''قرآن نے بہشت کی کسی نعمت کے لحاظ سے مردوں اور عورتوں میں فرق نہیں رکھا۔ بلاشبہ حور بہشت کی نعمت ہے اور یہ نعمت مردوں اور عورتوں کے لیے یکساں ہے'' (ص ۲۷۵)

''لفظ 'حور' صرف مونث کے لیے نہیں بولا جاتا۔ اگرچہ اس لفظ کا استعمال عام طور پر عورتوں کے لیے ہوتا ہے، مگر اس سے مراد صرف عورتیں نہیں ہوسکتیں''۔ (ص ۲۷۶)

حالاں کہ قرآن میں لفظ 'حور' کے ساتھ آنے والی صفت اور ضمیر دونوں مؤنث ہیں [مقصورات، لم یطمثھن۔ الرحمٰن: ۷۲، ۷۴] اس سے ان کا 'عورتیں' ہونا متعین ہوجاتا ہے۔

فاضل مصنف عربی زبان وادب کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے بعد عرصہ تک ملک و بیرون ملک عربی زبان کی تعلیم و تدریس سے وابستہ رہے ہیں۔لیکن وہ اپنی زبان دانی کے زعم میں بسا اوقات ایسے عجیب وغریب دعوے کرتے ہیں جن سے قرآن کریم کا استخفاف لازم آتا ہے۔مثلاً وہ 'فتی' اور 'فتاۃ' کے مقابلے میں 'عبد' اور 'امۃ' کو 'توہین آمیز الفاظ' (ص ۳۸۹) اور مرد وعورت کے جنسی تعلق کو ظاہر کرنے والے لفظ 'رفث' کو 'غیر شائستہ لفظ' (ص ۴۵۰) قرار دیتے ہیں، حالاں کہ یہ الفاظ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر آئے ہیں۔

فاضل مصنف اپنے نقطۂ نظر سے اختلاف رکھنے والے علماء سے شاکی ہیں کہ انھوں نے قرآنی آیات کو کھینچ تان کر اپنی تائید میں پیش کیا ہے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ خود انھوں نے آیات قرآنی کی من مانی تاویلات کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی ہے۔کتاب کا ایک عیب مضامین کی تکرار ہے۔ایک ہی بات کو بہت سے مقامات پر دہرایا گیا ہے۔اگر ایسا نہ کیا جاتا ہے تو کتاب کی ضخامت اس سے کہیں کم ہوتی جتنی اب ہے۔ (محمد رضی الاسلام ندوی)

ارشاداتِ نبوی

مجاہد شبیر احمد فلاحی

دین اسلام کے بنیادی طور پر دو مصادر ہیں: قرآن اور سنت۔ ان میں سے کسی سے بے نیاز نہیں رہا جاسکتا۔دین کے صحیح فہم اور اس پر صحیح طریقے سے عمل پیرا ہونے کے لیے دونوں سے استفادہ ضروری ہے۔قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور اس کے احکام اور ہدایات کا مجموعہ ہے تو سنت اس کے رسول ﷺ کے اقوال وارشادات اور عملی نمونہ سے عبارت ہے۔قرآن کریم میں بار بار أَطِيعُوا اللّٰهَ وَ أَطِيعُوا الرَّسُوْلَ (اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو) کا حکم دیا گیا ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوی احکام وفرامین کی حیثیت محض ضمنی اور فروعی نہیں ہے، بلکہ وہ مستقل تشریعی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان سے تغافل برتنا، انہیں کم تر حیثیت دینا یا انہیں معاملات زندگی میں رہ نما نہ بنانا گم راہی کو دعوت دینا ہے۔رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے اصحاب کے جمّ غفیر کے سامنے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا تھا:

تَرَکْتُ فِیْکُمْ أَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَاتَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابَ اللّٰہِ وَ سُنَّۃَ نَبِیِّہٖ (مؤطا امام مالک، کتاب القدر، حدیث:۳۸۵۱)

(میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں اگر تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے تو ہرگز گم راہ نہ ہوگے: اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سنت۔)

ارشادات رسول ﷺ کی اسی اہمیت کی بنا پر امت نے انہیں ابتدا ہی سے محفوظ رکھنے اور دوسروں تک پہنچانے کا خصوصی اہتمام کیا ہے۔ صحابۂ کرامؓ نے اللہ کے رسول ﷺ سے براہ راست سنا، زبانی یاد رکھا اور تحریری طور پر بھی محفوظ کیا، پھر بعد کی نسل تک منتقل کیا۔ اس طرح ابتدائی صدیوں میں ہی احادیث کے بہت سے مجموعے وجود میں آگئے تھے۔ بعد میں محدثین کرام کی کوششوں سے احادیث کی جمع وترتیب اور چھان پھٹک کا غیر معمولی کارنامہ انجام پایا اور صحیح احادیث پر مشتمل بہت سی قابل قدر کتابیں مرتب ہوگئیں۔ پھر ان کی تشریح و تفہیم کا کام بھی جاری رہا اور علمائے امت نے ان کی شروح بھی تصنیف کیں۔ اس کے بعد ان کتابوں کی روشنی میں احادیث کے مختصر مجموعے مرتب کرنے کا رجحان اُبھرا۔ یہ مجموعے موضوعاتی اعتبار سے بھی مرتب کیے گئے اور تذکیر ونصیحت کا مقصد بھی پیش نظر رہا۔ حدیث لٹریچر میں ایسی متعدد کتابیں پائی جاتی ہیں جن میں مختلف معاملات زندگی سے متعلق ترغیب وترہیب اور تذکیر و نصیحت کی احادیث جمع کی گئی ہیں۔ ان میں شیخ عبدالعظیم المنذری (م ۶۵۶ھ) کی **الترغیب و الترھیب من الحدیث النبوی الشریف**، امام نوویؒ (م ۶۷۶ھ) کی **ریاض الصالحین من کلام سید المرسلین** اور خطیب تبریزیؒ (۷۴۱ھ) کی **مشکاۃ المصابیح** خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

احادیث کا زیر نظر مجموعہ بھی تذکیر کے پہلو سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے لیے جو احادیث منتخب کی گئی ہیں ان میں دین کی اساسیات بہت جامع انداز سے مذکور ہیں۔ ہر حدیث کی پہلے تخریج کی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ یہ کس کس کتاب میں مذکور ہے۔ پھر الفاظ کی تشریح کی گئی ہے، راوی کا تعارف کرایا گیا ہے، اس حدیث کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے،

پھر مختلف ذیلی عنوانات کے تحت اس کے بیانات کی تشریح کی گئی ہے۔آخر میں نکات کی شکل میں اس سے مستنبط ہونے والے فوائد بیان کیے گئے ہیں۔

اس مجموعہ کے مرتب اور شارح مولانا مجاہد شبیر احمد فلاحی قاسمی (امیر جماعت اسلامی تحصیل ترال وسابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ جموں وکشمیر) ذی علم اور صالح نوجوان ہیں۔ ہندوستان کے معروف تعلیمی اداروں جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ اور دار العلوم دیو بند سے کسب فیض کرنے کے بعد انہوں نے ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی علی گڑھ سے تصنیفی تربیت حاصل کی ہے۔ ان کی متعدد طبع زاد تصانیف اور تراجم شایع ہو چکے ہیں اور علمی و دینی حلقوں میں انھیں قبول عام حاصل ہوا ہے۔امید ہے، تربیتی نقطۂ نظر سے تیار کردہ اس مجموعۂ احادیث سے بھی فائدہ اٹھایا جائے گا۔ (م۔ر)

﴿معرکۂ اسلام و جاہلیت﴾

مولانا صدر الدین اصلاحی

اسلام کی بصیرت افروز آگہی کے لیے جاہلیت سے واقفیت ناگزیر ہے۔

☆عقائد،عبادت، اخلاقیات اور زندگی کے تمام معاملات میں جاہلیت اور اسلام کے درمیان اصولی فرق کیا ہے؟

☆ دونوں کے درمیان فطری اور مسلسل کش مکش کا انداز کیا ہے؟

☆ جاہل عناصر کس طرح اسلامی تصورات میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں؟

ان اہم پہلوؤں پر اس کتاب میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ مصنف کے گہر بار قلم نے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ صفحات:۲۱۶ قیمت:-/۸۵روپے

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ ڈاکٹر اسرار احمد خان نے انتہائی معیاری اور دلکش اسلوب میں Islamic Civilization in its Real Prespective کے نام سے کیا ہے۔

آفسیٹ کی عمدہ طباعت صفحات:۱۳۷ قیمت:-/۹۰ روپے

ملنے کے پتے: ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر-۹۳،علی گڑھ-۲

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلیشرز ،دعوت نگر ابوالفضل انکلیو،نئی ہلی-۲۵

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۴۵)

☆ تحریکی، دینی اور علمی حلقوں میں یہ خبر بڑے رنج والم کے ساتھ سنی جائے گی کہ سابق امیر جماعت اسلامی ہند اور رکن مجلس منتظمہ ادارۂ تحقیق ڈاکٹر محمد عبدالحق انصاری (ولادت: ۱۹۳۱ء) ۳؍اکتوبر ۲۰۱۲ء کو وفات پاگئے۔ موصوف نے ثانوی درس گاہ رام پور میں عربی کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی، اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی میں اعلیٰ تعلیم کے مراحل طے کیے اور وہاں سے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ اس کے علاوہ ہارورڈ یونی ورسٹی امریکا سے بھی اعلیٰ تعلیم حاصل کی۔ شانتی نکیتن (مغربی بنگال) کے علاوہ سوڈان اور سعودی عرب کی یونی ورسٹیوں میں تدریس وتحقیق کے فرائض انجام دیے۔ سنٹر فار ریلیجیس اسٹڈیز اینڈ گائیڈنس اور اسلامی اکیڈمی جیسے اداروں کے ذریعے نوجوان محققین اور اسکالرس کی تربیت کی۔ فلسفہ اور تصوف موصوف کی تحقیق کے خصوصی میدان تھے۔ 'تصوف اور شریعت' آپ کی مقبول تصنیف ہے، جس میں آپ نے مجدد الف ثانیؒ کے تصوف پر اعلیٰ پائے کی تحقیق پیش کی ہے۔ اس کے علاوہ مقصد زندگی کا اسلامی تصور، قرآنی عربی سیکھیے، مجدد دین امت اور تصوف، قومی یک جہتی اور اسلام، ابن تیمیہ اور تجدید فکر اسلامی آپ کی اہم تصانیف ہیں۔ ۴؍اکتوبر ۲۰۱۲ء کو علی گڑھ میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ جماعت اسلامی ہند کے متعدد ذمہ داروں نے جنازہ میں شرکت کی۔ محترم امیر جماعت نے نماز جنازہ پڑھائی۔

☆ صدر ادارۂ تحقیق و امیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری نے اپنے سفر پاکستان (۶-۱۳؍جون ۲۰۱۲ء) کے دوران وابستگانِ تحریک کے خصوصی اجتماعات، عوامی جلسوں اور علمی نشستوں میں جو تقریریں کی تھیں ان کا مجموعہ 'خطبات پاکستان' کے نام سے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی سے شائع ہوگیا ہے۔ ان خطبات میں اقامت دین کے علمی تقاضے، احیائے اسلام کی تدابیر، غلبۂ دین کی مختلف جہتیں، ذاتی اصلاح وتربیت، ہندوستانی مسلمانوں کے حالات ومسائل اور جماعت اسلامی ہند کی خدمات جیسے اہم موضوعات زیر بحث آئے ہیں۔ اس مجموعہ میں دو روداد یں بھی شامل ہیں ۔ ایک وہ جو مولانا کے رفیق سفر ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی نے تیار کی تھی اور دوسری وہ روداد جو مولانا نے اپنے سفر پاکستان

(۲۰۰۵ء) کے موقع پر خود تیار کی تھی۔ ان رودادوں میں پاکستان کے حالات، وہاں کی اہم شخصیات کا ذکر اور بعض علمی مسائل پر اسلامی نقطۂ نظر کی وضاحت موجود ہے۔ صفحات: ۱۹۲، قیمت-/۱۰۰ روپے

☆ ادارہ کے سلسلۂ توسیعی خطبات کے تحت ۱۶؍ستمبر۲۰۱۲ء کو جناب ایس امین الحسن رکن مرکزی مجلس شوریٰ جماعت اسلامی ہند نے 'عصر حاضر میں غلبۂ دین کی جدوجہد: پیش رفت، موانع اور امکانات' کے موضوع پر خطبہ دیا۔ پروفیسر محمد ادریس استاد شعبۂ کیمیکل انجینیرنگ مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ نے اجلاس کی صدارت کی۔ اہل ذوق حضرات نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

☆ ۸؍ستمبر۲۰۱۲ء کو ادارۂ تحقیق کی مجلس منتظمہ کا ایک خصوصی اجلاس منعقد ہوا، جس میں ادارہ سے متعلق مختلف امور و مسائل پر غور وخوض ہوا اور بعض اہم فیصلے کیے گئے۔ اس موقع پر صدر ادارہ مولانا عمری نے ادارہ کے محققین اور زیر تربیت اسکالرس کے ساتھ بھی نشست کی، ان کے علمی کاموں کا جائزہ لیا اور انہیں مشورے دیے۔ اس کے علاوہ رات میں بعد نماز عشاء شہر علی گڑھ کی جامع مسجد میں ایک بڑے مجمع سے خطاب کیا۔

☆ ادارہ کا تصنیفی تربیتی پروگرام الحمد للہ کامیابی اور تسلسل کے ساتھ جاری ہے۔ حال میں اس سے دو نوجوان فارغین مدارس وابستہ ہوئے ہیں۔ ایک دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ التحصیل ہیں اور دوسرے جامعۃ الفلاح اعظم گڑھ سے۔

☆ ۲۹-۳۰؍ستمبر۲۰۱۲ء کو شعبۂ دینیات (سنّی) مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ میں 'فقہائے ہند اور جدید مسائل' کے مرکزی موضوع پر دوروزہ سمینار منعقد ہوا، جس میں ملک کی مختلف عصری جامعات اور دینی مدارس کے اساتذہ اور علمی اداروں کے محققین شریک ہوئے۔ ادارۂ تحقیق کے رفیق مولانا محمد جرجیس کریمی نے اس میں شرکت کی اور 'ہندوستان میں دارالقضاء کا قیام اور علمائے ہند کا موقف' کے عنوان سے مقالہ پیش کیا۔

☆ منتظم ادارہ ڈاکٹر محمد احمد نے ماہ ستمبر۲۰۱۲ء کے نصف آخر میں ادارہ کے تعارف اور مجلّہ تحقیقات اسلامی کی توسیع واشاعت کے لیے ریاست کرناٹک کا دورہ کیا۔ الحمدللہ یہ دورہ کامیاب رہا اور ادارہ کے بہی خواہوں نے بھرپور تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں اس کا بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

فہرست مضامین سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی علی گڑھ، جلد ۲۸، ۲۰۱۲ء

مضامین	مضمون نگاران	شمارہ	صفحات
حرف آغاز			
انابت الی اللہ	سید جلال الدین عمری	۱	۵-۱۴
قرآن مجید- اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے	،،	۲	۱۲۵-۱۳۸
قلب- خیر و شر کا مرکز	،،	۳	۲۴۵-۲۷۱
غلبۂ دین کے لیے علمی و فکری تیاری کی ضرورت	،،	۴	۳۶۵-۳۸۴
تحقیق و تنقید			
علامہ برہان الدین بقاعی کی تفسیر نظم الدرر میں ربط آیات کا مطالعہ	ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی	۱	۱۵-۳۵
تدوین حدیث اور سیرت نگاری میں نقد و تحقیق: آغاز و ارتقاء	جناب محمد طیب	۱	۳۷-۵۲
امام ابن اسحٰق -شاہ ولی اللہ کے اہم ترین ماخذ سیرت	پروفیسر محمد یٰسین مظہر صدیقی	۲	۱۳۹-۱۵۸
توریت کا نزول یک بارگی ہوا ہے یا تدریجاً	ڈاکٹر محمد مشتاق احمد	۳	۲۷۳-۲۹۶
بیسویں صدی میں عربی خودنوشت سوانحی ادب کا ارتقاء	ڈاکٹر صفدر سلطان اصلاحی	۳	۲۹۷-۳۰۸
رسول اللہ ﷺ کے غزوات اور ان کے محرکات	ڈاکٹر محمد شمیم اختر قاسمی	۴	۳۸۲-۴۰۶
معاصر ہندوستان میں اسلامی قانون کی تدریس و تدوین	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی	۴	۴۰۷-۴۲۸
بحث و نظر			
نظامِ خاندان- مشترکہ یا جداگانہ؟	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۱	۵۳-۶۸
بوڑھوں کے عافیت کدے اور اسلام	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۱۵۹-۱۷۰
رؤیت ہلال- ایک تحقیقی جائزہ	مولانا کلیم اللہ عمری مدنی	۲	۱۷۱-۱۹۶
معاشی تحفظ کے لیے نبوی اقدامات	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس	۳	۳۰۹-۳۲۲
والدین کے ساتھ حسن سلوک	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۲۳-۳۴۰
عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال	،،	۴	۴۲۹-۴۴۵
سیر و سوانح			
مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی ایک صاحب طرز اسلوب نگار	ڈاکٹر محمد جاوید اصغر	۱	۶۹-۸۸

مولانا فتح محمد جالندھری بہ حیثیت مترجم قرآن	جناب محمد سلیم اسماعیل	۲	۱۹۷-۲۰۸
ابن ابی حاتم اوران کی کتاب العلل	ڈاکٹر محمد شریف شاکر	۴	۴۴۷-۴۶۲

ترجمہ وتلخیص

علامہ مجدالدین فیروز آبادی- بہ حیثیت مفسر	ڈاکٹر محمد احمد الکردی/ مترجم: مولانا محمد جرجیس کریمی	۱	۸۹-۱۱۱

مطالعہ کتب

نواب صدیق حسن خاں کی کتاب الحطۃ	مولانا جاوید احسن فلاحی	۲	۲۰۹-۲۲۱

نقد واستدراک

قرآن کریم اورفرضی داستانیں	پروفیسر احتشام احمد ندوی	۲	۲۲۳-۲۲۶
وضاحت	ڈاکٹر محمود حسن الٰہ آبادی	۲	۲۲۷-x
مفقود سیرت ابن اسحاق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ	پروفیسر احتشام احمد ندوی	۴	۴۶۳-۴۶۶

تعارف وتبصرہ

عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلامی کی رہنمائی	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۱	۱۱۳-۱۱۴
حضرت خضر تحقیق کی روشنی میں	،،	۱	۱۱۴-۱۱۵
معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات	،،	۱	۱۱۵-۱۱۷
تاریخ تدوین وجمع قرآن	ڈاکٹر تابش مہدی	۱	۱۱۷-۱۱۸
برصغیر ہند میں علوم فقہ اسلامی کا ارتقاء	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۲۹-۲۳۲
اخوان المسلمون- تزکیہ، ادب، شہادت	مولانا محمد جرجیس کریمی	۲	۲۳۲-۲۳۵
عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اوران کا اسلامی حل	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۲	۲۳۵-۲۳۶
کتابیات شبلی	،،	۲	۲۳۶-۲۳۸
قاضی ثناءاللہ پانی پتی اور تفسیر مظہری کا تعارف	،،	۳	۳۵۱-۳۵۳
محمد رسولؐ کے بارے میں بائبل کی پیشین گوئیاں	،،	۳	۳۵۳-۳۵۴
بررسی ادبیات امروز ایران	ڈاکٹر محمد شہاب الدین	۳	۳۵۴-۳۵۶
اشاریہ معارف	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۳	۳۵۷-۳۵۸
لغات قرآن اور عورت کی شخصیت	،،	۴	۴۶۷-۴۷۲
ارشاداتِ نبوی	،،	۴	۴۷۲-۴۷۴

خبر نامہ ادارۂ تحقیق وتصنیف اسلامی (۴۲) ادارہ ۱ ۱۱۹-۱۲۰

،، ،، (۴۳) ،، ۲ ۲۳۹-۲۴۰

،، ،، (۴۴) ،، ۳ ۳۵۹-۳۶۰

،، ،، (۴۵) ،، ۴ ۴۷۵-۴۷۶

فہرست مضمون نگاران سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، جلد ۲۹، ۲۰۱۲ء

مضمون نگاران	مضامین	شمارہ	صفحات
اصلاحی، صفدر سلطان	بیسویں صدی میں عربی خودنوشت سوانحی ادب کا ارتقاء	۳	۲۹۷-۳۰۸
الہ آبادی، محمود حسن	وضاحت (بہ سلسلہ قرآن کریم اور فرضی داستانیں)	۲	۲۲۷-x
اوصاف احمد	مولانا مودودی کے معاشی افکار	۳	۲۴۱-۲۵۰
تابش مہدی	تاریخ تدوین وجمع قرآن (تبصرہ)	۱	۱۱۷-۱۱۸
جاوید اصغر، محمد	مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ایک صاحب طرز اسلوب نگار	۱	۶۹-۸۸
سلیم اسماعیل، محمد	مولانا فتح محمد جالندھری بہ حیثیت مترجم قرآن	۲	۱۹۷-۲۰۸
شہاب الدین، محمد	بررسی ادبیات امروز ایران (تبصرہ)	۳	۳۵۴-۳۵۶
شریف شاکر، محمد	امام ابن ابی حاتم اوران کی کتاب العلل	۴	۴۴۷-۴۶۲
شمس، ہمایوں عباس	معاشی تحفظ کے لیے نبوی اقدامات	۳	۳۰۹-۳۲۲
صدیقی، محمد یٰسین مظہر	امام ابن اسحاقؒ-شاہ ولی اللہ کے اہم ترین ماخذ سیرت	۲	۱۳۹-۱۵۸
عمری، سید جلال الدین	انابت الی اللہ	۱	۵-۱۴
،، ،،	غلبۂ دین کے لیے علمی وفکری تیاری کی ضرورت	۴	۳۶۵-۳۸۲
،، ،،	قرآن مجید- اللہ کی کتاب ہے	۲	۱۲۵-۱۳۸
،، ،،	قلب- خیر وشر کا مرکز	۳	۲۴۵-۲۷۱
عمری، کلیم اللہ، مدنی	رؤیت ہلال- ایک تحقیقی جائزہ	۲	۱۷۱-۱۹۶
فلاحی، جاوید احسن	نواب صدیق حسن خاں کی کتاب الحطۃ	۲	۲۰۹-۲۲۱
فلاحی، ضیاء الدین ملک	معاصر ہندوستان میں اسلامی قانون کی تدریس تدوین	۴	۴۰۷-۴۲۸
فلاحی، عبید اللہ فہد	علامہ برہان الدین بقاعی کی تفسیر نظم الدرر میں ربط آیات کا مطالعہ	۱	۱۵-۳۵
قاسمی، محمد شمیم اختر	رسول اللہ ﷺ کے غزوات اوران کے محرکات	۴	۳۸۳-۴۰۶
قاسمی، ولی اللہ مجید	نظامِ خاندان -مشترکہ یا جداگانہ؟	۱	۵۳-۶۸
الکردی	علامہ مجدالدین فیروزآبادی بہ حیثیت مفسر	۱	۸۹-۱۱۱
کریمی، محمد جرجیس	،، ،، (ترجمہ)	۱	۸۹-۱۱۱
،،	اخوان المسلمون: تزکیہ، ادب، شہادت (تبصرہ)	۲	۲۳۲-۲۳۵

محمد طیب	تدوین حدیث اور سیرت نگاری میں نقد و تحقیق	۱	۳۷-۵۲
مشتاق احمد، محمد	توریت کا نزول یک بارگی ہوا ہے یا تدریجاً؟	۳	۲۷۳-۲۹۶
ندوی، سید احتشام احمد	قرآن کریم اور فرضی داستانیں	۲	۲۲۳-۲۲۶
،،	مقفو دسیرت ابن اسحاق اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ	۴	۴۶۳-۴۶۶
ندوی، محمد رضی الاسلام	بوڑھوں کے عافیت کدے اور اسلام	۲	۱۵۹-۱۷۰
،،	عام تباہی کے اسلحہ کا استعمال: اسلامی نقطۂ نظر	۴	۴۲۹-۴۴۵
،،	والدین کے ساتھ حسن سلوک	۳	۳۲۳-۳۴۰
،،	ارشاداتِ نبوی (تبصرہ)	۴	۴۷۲-۴۷۴
،،	اشاریہ معارف (،،)	۳	۳۵۷-۳۵۸
،،	برصغیر ہند میں علوم فقہ اسلامی کا ارتقاء (،،)	۲	۲۲۹-۲۳۲
،،	حضرت خضر تحقیق کی روشنی میں (،،)	۱	۱۱۴-۱۱۵
،،	عصر حاضر کا سماجی انتشار اور اسلامی کی رہنمائی (،،)	۱	۱۱۳-۱۱۴
،،	عصر حاضر کی نفسیاتی الجھنیں اور ان کا اسلامی حل (،،)	۲	۲۳۵-۲۳۶
،،	قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور تفسیر مظہری کا تعارف (،،)	۳	۳۵۱-۳۵۳
،،	کتابیات شبلی (،،)	۲	۲۳۶-۲۳۸
،،	لغات قرآن اور عورت کی شخصیت (،،)	۴	۴۶۷-۴۷۲
،،	محمد رسولؐ کے بارے میں بائبل کی پیشین گوئیاں (،،)	۳	۳۵۳-۳۵۴
،،	معاشی مسائل اور قرآنی تعلیمات (،،)	۱	۱۱۵-۱۱۷

پاکستان میں

سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی کے لیے رابطہ کریں:

جناب سجاد الٰہی صاحب، A-27، لوہا مارکیٹ، مال گودام روڈ، بادامی باغ، لاہور

Tel: 0300-4682752, (R)5863609, (0)7280916

Email: abdulhadi_133@yahoo.com

ڈائریاں اور کیلنڈر 2013

شب وروز (ڈائری) عام اور ڈیلکس ایڈیشن

• ہر صفحے پر قرآنی آیات واحادیث رسولؐ، انبیاء کرام، صحابہ عظام اور بزرگان سلف کے سبق آموز اقوال، معتبر شعرا کے تعمیری اور فکر انگیز اشعار • شروع وآخر کے ۵۲ صفحات پر اہم ودلچسپ معلومات • مسنون دعائیں • خطبات جمعہ ونکاح، قربانی، عقیقہ، نماز جنازہ اور استخارے کی ماثورات • نقشہ اوقات نماز • ہندوستان اور سات اہم شہروں کے نقشے • ہر ماہ کے آغاز میں ایک صفحہ Planner کے لیے خاص • لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے مسلم ممبروں کی فہرست کے علاوہ بہت ساری دوسری معلومات سے مزین ایک دلچسپ ومفید ڈائری۔ صفحات: ۴۳۲ نفیس کاغذ، دیدہ زیب ٹائٹل۔

اسلامی ڈائری (پاکٹ سائز)

• ہر صفحہ قرآنی آیات، احادیث رسولؐ، بزرگوں کے اقوال اور بزرگ وتعمیر پسند شعرا کے تعمیری وفکر انگیز اشعار سے مزین • ۲۵ صفحات پر مشتمل اہم اور ضروری معلومات • کل صفحات: ۲۰۸ • نفیس اور عمدہ کاغذ

کیلنڈر

• چار رنگوں پر مشتمل سفید سیٹ پیپر پر نفیس طباعت • ہر صفحے پر منتخب قرآنی آیات کے اردو، ہندی اور انگریزی تراجم کے ساتھ ایک دیدہ زیب کیلنڈر • ۳ درجی دو طرفہ طباعت قرآنی آیات کے دل کش ظروف، خوب صورت قدرتی مناظر، عالمی شہرت مساجد کی تصاویر اور ہر مہینے کی تاریخیں نمایاں حروف میں۔

آئندہ پروگرام کے تحت ہندوستان کے مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز کے
سب ڈپو جمعہ بازار
دہلی، ممبئی، رامپور، لکھنؤ، کولکاتہ، بنگلور، حیدرآباد، علی گڑھ، کیرالا
سب ڈپو مکتبہ اسلامی
سے خریدیں

مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی ۲۵

D-307, Dawat Nagar, Abul Fazl Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025
Phone: 26971652, 26954341, 26946447(O) Fax: 26947858
E-mail: mmipublishers@gmail.com • Website: www.mmipublishers.net

R.No. 38933/81 Quartely Mob. 09897655171
Tahqeeqat-e-Islami Phone: 0571-2902034
October.....2012 Aligarh Dereember.....2012

مولانا سید جلال الدین عمری کی مطبوعات

شمار	نام کتاب	قیمت	شمار	نام کتاب	قیمت
۱	غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق	۱۴۰/-	۲۰	دولت میں خدا کا حق	۱۰/-
۲	اسلام۔ انسانی حقوق کا پاسبان	۵۵/-	۲۱	انفاق فی سبیل اللہ	۲۰/-
۳	غیر اسلامی ریاست اور مسلمان	۲۵/-	۲۲	انسان اور اس کے مسائل	۴۰/-
۴	کم زور اور مظلوم اسلام کے سایہ میں	۵۰/-۳۵/-	۲۳	اسلام اور مشکلات حیات	۲۵/-
۵	صحت و مرض اور اسلامی تعلیمات	۲۰۰/-	۲۴	خدا کی غلامی۔ انسان کی معراج	۱۴/-
۶	خدا اور رسول کا تصور۔ اسلامی تعلیمات میں	۸۰/-	۲۵	اسلام اور وحدت بنی آدم	۶/-
۷	معروف و منکر	۸۵/-	۲۶	اسلام میں خدمت خلق کا تصور	۸۰/-
۸	اسلام کی دعوت	۱۴۰/-	۲۷	انسانوں کی خدمت۔ اسلام کی نظر میں	۱۲/-
۹	اسلام۔ ایک دین دعوت	۱۰/-	۲۸	جماعت اسلامی ہند۔ پس منظر، خدمات اور طریقہ کار	۲۰/-
۱۰	ہندوستان میں اسلام کی دعوت۔ اہمیت اور تقاضے	۵/-	۲۹	ہم تحریک اسلامی کے کارکن کیسے بنیں؟	۸/-
۱۱	دعوت و تربیت۔ اسلام کا نقطۂ نظر	۵۰/-	۳۰	ملک و ملت کے نازک مسائل اور ہماری ذمہ داریاں	۳۲/-
۱۲	قرآن مجید کا تصور تزکیہ	۱۲/-	۳۱	یہ ملک کدھر جا رہا ہے؟	۲۰/-
۱۳	عورت۔ اسلامی معاشرے میں	۱۶۰/-	۳۲	وقت حساب	۱۰/-
۱۱۴	مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ	۸۰/-	۳۳	آخرت کے عذاب سے خاندان کو بچایئے	۱۰/-
۱۵	عورت اور اسلام	۵۰/-۲۰/-	۳۴	اسلام کا شورائی نظام	
۱۶	مسلمان خواتین کی ذمہ داریاں	۱۵/-	۳۵	فقہی اختلافات کی حقیقت	۱۰/-
۱۷	اسلام کا عائلی نظام	۸۵/-	۳۶	بعض اہم اسلامی اصطلاحات کی تشریح	۱۲/-
۱۸	بچے اور اسلام	۶/-	۳۷	سوئے حرم چلا	۱۸/-
۱۹	تحقیقات اسلامی کے فقہی مباحث	۱۰۰/-	۳۸	دینی علوم کی تدریس	۱۲/-

ملنے کے پتے:

۱- ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، نئی نگر، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔ ۲

۲- مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز: ڈی۔ ۳۰۷، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵